# بچھوؤں کا ناچ

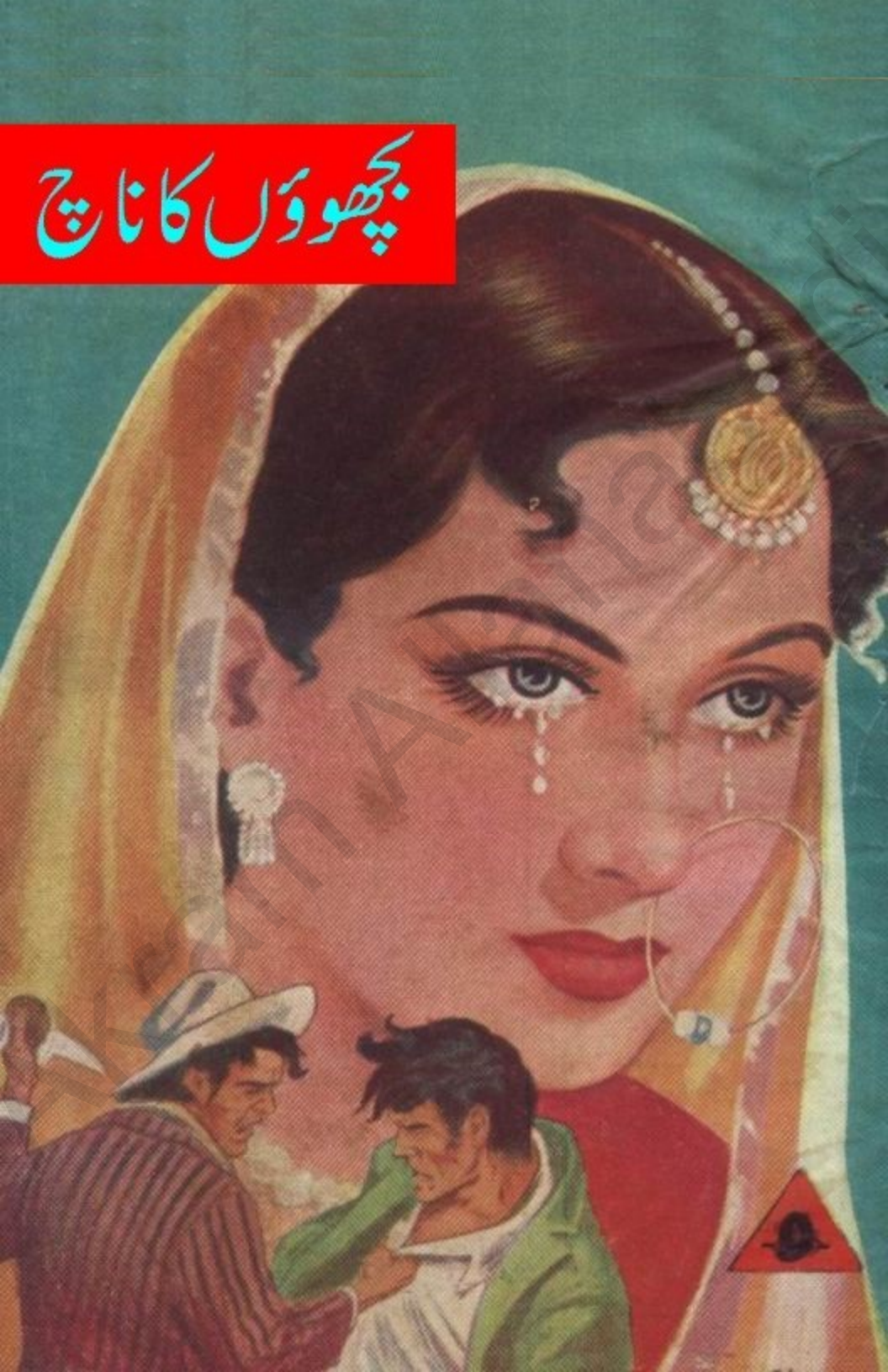

جاسوسی دائرہ سیریز

# بچھّوؤں کا ناچ

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

# پیتل کا سانپ

''ذرا ذرا سا گوپر۔ یہ کیا نام ہوا بھلا؟''

''تم پولیس کی نوکری چھوڑ کر پھر سے پرائمری اسکوم میں داخل ہو جاؤ۔''

''تو پھر آپ ہی فرما دیجیے اس کا صحیح تلفظ۔''

''ژاژاگیر۔''

''خدا سمجھے اس شریف آدمی کو جس نے اس ٹیڑے نام کی اولاد پیدا کی۔''

''امریکن فلمی اداکارائیں زیادہ تر ٹیڑھے نام ہی پسند کرتی ہیں۔''

''تو پھر مجھے بھی کوئی ٹیڑھا سا نام ڈھونڈھ دیجیے۔''

''تم امریکن اداکارہ تو نہیں ہو۔''

''لاحول ولاقوۃ۔ میں ان کی پسند کو مدِنظر رکھ کر عرض کر رہا ہوں۔''

''خمیرہ گاؤزبان نام کیسا رہے گا؟''

''عطار بیچ ڈالیں گے۔''

''تو پھر ماؤلنی روج؟''

''بڑا ابدشکل آدمی تھا، لڑکیاں نام سنتے ہی قے کرنے لگیں گی۔''

''ہم۔'' سپرنٹنڈنٹ خان نے سر ہلایا۔

''میں خود تجویز کروں؟'' سارجنٹ بالے نے انگلی ہوا میں نچا کر پوچھا۔

''بکو۔''

''جنرل زپ زپ۔''

''وجہ تسمیہ؟''

Akram Allahabadi

''ایک امریکی فلم کے باغی جنرل ویوازپاتا کے جدّ امجد کا نام تھا۔''

''خیر، فضولیات ختم۔ اب سنجیدہ ہو جاؤ۔''

''ہو گیا۔''

سپرنٹنڈنٹ خان نے کار اپنے بنگلے کے احاطے میں داخل کر دی۔

خان کا نوکر غلام رسول اب تک جاگ رہا تھا۔ گاڑی کی آواز سن کر وہ باہر نکل آیا۔

''صاحب، آدھ گھنٹے میں دو فون آ چکے ہیں آپ کے۔'' اس نے مؤدب لہجے میں کان کو بتایا۔

''کہاں سے؟''

''سول اسپتال سے۔ ڈاکٹر بخاری صاحب آپ سے کچھ ضروری بات کہنا چاہتے تھے۔'' نوکر نے کہا۔

''اچھا۔'' خان یہ کہتا ہوا اپنے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا اور بالے کار کو گیرج میں رکھنے چلا گیا۔

اس وقت رات کے ساڑھے نو بجے تھے اور خان اور بالے ایک انگریزی فلم کا چھ بجے شام کا شو دیکھ کر ابھی لوٹے تھے۔ انھیں پکچر دیکھنے کا موقع بھی اتفاق سے ملتا، ورنہ عام طور پر تو سپرنٹنڈنٹ خان اس قدر مصروف رہتا کہ اسے کئی کئی مہینے بغیر کسی تفریح کے گزر جاتے۔ آج اس نے رفع کسل کے لیے رخصت بھی لے رکھی تھی اور بالے اسے بتائے بغیر ہی سنیما کی دو نشستیں پہلے ہی بک کر چکا تھا، اس لیے اسے جانا ہی پڑا۔ اسے توقع تھی کہ کم از کم آج وہ خالی الذہن ہو کر سکون کی نیند سو سکے گا۔

مگر ڈاکٹر بخاری کا فون۔ بخاری کا نمبر ملا کر اس نے رسیور ہاتھ میں لے لیا۔

''ہیلو، ڈاکٹر۔'' وہ بولا۔

Akram Allahabadi

''اوہ، خان صاحب، میں دوبار پہلے ہی آپ کو فون کر چکا ہوں۔''

''میں آج رخصت پر ہوں۔'' خان نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''مجھے معلوم ہے، لیکن یہاں ایک عجیب قسم کا مریض آیا ہے۔ میں نے سوچا شاید آپ کی دلچسپی کا سبب بن سکے۔'' ڈاکٹر ادھر سے بولا۔

''بات کیا ہے؟'' خان نے لہجہ خوش گوار بناتے ہوئے پوچھا۔

''ایک ٹیکسی سے ایکسیڈنٹ ہوگیا تھا اس کا۔ زخم معمولی ہے جس کی ڈریسنگ کر دی گئی ہے، لیکن وہ نہ جانے کیا کیا بک رہا ہے۔ کبھی کبھی مذبح کے بکرے کی طرح چیخنے لگتا ہے۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''ہوسکتا ہے اس کے دماغ پر حادثے کا اثر پڑا ہو۔''

''ٹیکسی ڈرائیور کا بیان ہے کہ حادثے سے پہلے بھی وہ سڑک کے کنارے چیختا ہوا دوڑ رہا تھا اور اسی دوڑ میں وہ اچانک ٹیکسی سے ٹکرا گیا۔

''تو کوئی پاگل ہوگا۔''

''یہ ممکن ہے، لیکن شکل وصورت سے کوئی صاحبِ حیثیت معلوم ہوتا ہے۔''

''خیر میں آتا ہوں۔'' خان نے رسیور رکھ دیا۔

''صاحب، کھانا لگاؤں؟'' غلام رسول نے آکر پوچھا۔

''نہیں، ابھی بھوک نہیں ہے۔ بالے کہاں ہے؟''

''وہ باہر برآمدے میں کتوں سے کھیل رہے ہیں۔''

''ان سے بولو گاڑی پھر باہر نکالیں۔''

غلام رسول سر ہلا کر چلا گیا۔

''غلام رسول، صاحب سے بولو گاڑی اب بستر پر لیٹ گئی ہے۔'' باہر سے بالے کی آواز سنائی دی۔ خان خود ہی باہر نکل آیا۔

Akram Allahabadi

''اور اب تمہارے لمبے لیٹنے کی بار ہے۔'' خان نے اس کی گردن تھام کر کہا۔

''آج یومِ تعطیل ہے، باس۔''

''پولیس کی نوکری میں کوئی تعطیل نہیں۔ گاڑی نکالو۔''

''خدا تجھے کالا بخار لائے ڈاکٹر بخاری۔'' بالے کسی بوڑھی عورت کی طرح ڈاکٹر بخاری کو کوستا ہوا گیرج سے گاڑی نکالنے چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

سول اسپتال کے کیو ولٹی وارڈ نمبر ۳ میں جو خصوصی نوعیت کے مریضوں کے لیے مخصوص تھا، ایک بیڈ پر وہ مریض پڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے اسے شاید مارفیا کا انجکشن دے دیا تھا، اس لیے کچھ دیر کے لیے اس پر غنودگی طاری ہو گئی تھی۔ خان کے داخل ہوتے ہی ڈاکٹر بخاری چونک پڑا۔

''یہ دیکھیے، یہ ہے وہ مریض۔'' اس نے بیڈ پر پڑے ہوئے ایک تن درست ۳۰۔۳۲ سالہ آدمی کی طرف اشارہ کیا۔ ابتک اس کے چہرے کا رنگ اک دم سرخ ہو رہا تھا۔

''کیا یہ رنگ معمول کے مطابق ہے؟'' خان نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

''اس میں چمک ہے، شاید دورانِ خون اوپر کی طرف چڑھا ہوا ہے۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔

''تو دماغی خلل بھی اس کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''ممکن ہے، لیکن میں خون کی گردش کو معمول پر لانے کے لیے اسے اب تک تین انجکشن دے چکا ہوں۔''

''اور اس پر ان کا اثر تک نہیں ہوا۔''

Akram Allahabadi

''چوٹ کہاں آئی ہے؟''

''صرف ایک ٹانگ پر۔''

''آپ کو کس چیز نے شبے میں ڈالا؟''

''ابھی بتاتا ہوں۔ آپ میرے ساتھ آیئے۔'' ڈاکٹر یہ کہہ کر دوسرے دروازے کی طرف گھوم پڑا۔ ایک چوڑے کاریڈور سے گزرتے ہوئے وہ ڈاکٹر کے روم میں آ گئے۔ بالے جھنجلایا ہوا سا تھا۔ اس کے خیال میں ڈاکٹر بخاری اس یومِ رخصت پر انھیں بری طرح بور کر رہا تھا۔

اس نے اسی احساس ناخوش گواری کے تحت ڈاکٹر سے بات تک نہ کی۔ ویسے ڈاکٹر نے بھی اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ وہ اپنے فرض کی ادائے گی میں مصروف ترین آدمی تھا، اس لیے ماسوائے مخاطب اسے دوسروں کی موجودگی کا بہت کم احساس رہتا۔ خان اور بالے سامنے کی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

ڈاکٹر نے جلدی سے میز کی دراز کھولی اور اس میں ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولنے لگا، لیکن اس کے چہرے کی کیفیت تبدیل سی ہو گئی، جیسے وہ کسی ان ہونی بات پر حیران رہ گیا ہو۔

''کیا بات ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''میں نے ابھی آدھ گھنٹے پہلے اسے یہاں دراز میں رکھا تھا۔''

''لیکن تھی کیا چیز؟''

''ایک عجیب سا نشان، وہ کسی سفید سی دھات کا بنا ہوا تھا۔''

''کیا مریض کے پاس سے برآمد ہوا تھا؟'' خان نے پوچھا۔

''جی ہاں، لیکن مجھے ایک ڈاکٹر کی حیثیت سے اس قسم کی کسی چیز پر شاید چبہ بھی نہ ہوتا، اگر ایسا ہی ایک اور کیس میری نظر سے نہ گزرا ہوتا۔'' ڈاکٹر نے بتانا شروع کیا۔

''آپ کی دراز مقفل تھی؟'' بالے نے سوال کیا۔

Akram Allahabadi

''ہاں ،اور اس کی چابی صرف میرے پاس ہی ہے۔''

''آپ کون سے کیس کا ذکر کر رہے تھے؟''خان نے اسے ٹوکا۔

''چند دن پہلے، بلکہ شاید دو ہفتے قبل ایسا ہی ایک مریض اسپتال میں لایا گیا تھا۔میں نے اسے سنبھالنے کی بہت کوشش کی،لیکن کوئی دوا کارگر نہ ہوئی۔اس کی چیخوں نے سارے اسپتال کا ناک میں دم کر لیا تھا،اس لیے اسے مینٹل ہاسپٹل بھیج دیا گیا۔مگر دوسرے دن ہی اس کی موت واقع ہو گئی۔''

''آپ کس نشان کے بارے میں بتا رہے تھے؟''

''یہاں اس کا لباس تبدیل کرتے وقت جب اس کا گرم کوٹ اتارا گیا تھا تو اس کے کالر کے پیچھے اندر کی طرف ایک ایسا ہی نشان لگا ہوا تھا جو میں نے آج اس مریض کے پاس پایا۔''ڈاکٹر نے بتایا۔

''ہم...''خان کچھ سوچتے ہوئے بولا۔''بات تو ہے سوچنے لائق۔''

ان نشانات کی یکسانیت ہی نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ یہ کیس قدرتی نہیں ہیں۔''ڈاکٹر نے اپنی رائے پیش کی۔

''ہو سکتا ہے آپ کا خیال کسی حد تک درست ہو،لیکن کیا آپ کو ان نشانات کی شکل یاد ہے کچھ؟''خان نے پوچھا۔

''شکل...شکل تو کوئی خاص نہ تھی،بس کنڈلی مار کر بیٹھا ہوا ایک ناگ جو پیتل کا تھا۔اس کا سائز زیادہ سے زیادہ ایک انچ رہا ہوگا۔''

''سانپ کا نشان؟''خان سنتے ہی چونک پڑا۔

''کیوں؟ کیا آپ جانتے ہیں کچھ اس کے بارے میں؟''ڈاکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

''چہ خوش،سانپ بھی کوئی جاننے کی چیز ہے۔''بالے بیچ میں بول اٹھا۔

Akram Allahabadi

''چند مہینے پیشتر، لالہ گودام کے علاقے میں ایک لاش سڑک پر پڑی ہوئی ملی تھی۔ مرنے والا اگرچہ شہر کے جرائم پیشہ افراد میں سے ایک تھا لیکن اس کی جیب میں بھی ایک ایسا ہی پتلی سانپ پایا گیا تھا۔ پولیس نے اس کے قتل کو جرائم پیشہ افراد کی آپس کی رنجش کا نتیجہ سمجھ کر زیادہ اہمیت نہیں دی تھی، البتہ وہ پتلی سانپ آج تک میرے ذہن میں ہے اور اگر آپ اس کا ذکر نہ کرتے تو شاید میں ان واقعات کو بھی زیادہ اہمیت نہ دیتا۔'' خان نے بتایا۔

''تو اس طرح تو یہ وارداتیں آپس میں رشتے دار معلوم ہوتی ہیں۔'' بالے نے رائے دی۔

''تم نے کوئی خاص بہت نہیں کہی۔ ایک اسکول کا طالب علم بھی کم از کم اتنی قیاس آرائی کر سکتا ہے۔'' خان منہ بنا کر بولا۔

''تو پھر اس مریض کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟''

''اب میں بھی آپ کی رائے سے متفق ہوں مشابہات اور واقعات کی یکسانیت دونوں پر اسرار ہیں۔'' خان نے کہا۔

''لیکن وہ آپ کی دراز سے غائب کیسے ہو گئے؟'' بالے اب سوال کر بیٹھا۔

''یہی تو میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہا۔ میں انھیں خود مقفل کر کے گیا تھا دراز میں۔'' ڈاکٹر نے معصومیت سے کہا۔

''اسٹاف میں کوئی مشتبہ شخصیت؟''

''نہیں۔ یہ سب یہاں کے پرانے اور آزمودہ لوگ ہیں۔''

''بہر حال وہ پتلی سانپ ضرور کسی بہت اہم راز سے تعلق رکھتے ہیں ورنہ انھیں یہاں سے غائب کرنے کی جرأت نہ کی جاتی۔ اور ممکن ہے یہ خون بھی کسی راز کو محفوظ رکھنے کے لیے ہی کیے گئے ہوں۔''

Akram Allahabadi

''آپ واقعات کو دہشت ناک حد تک پراسرار بنا رہے ہیں۔'' بالے نے کہا۔

''تمہاری جان کیوں آدھی ہو رہی ہے۔''

''اس لیے کہ فرصت کے دن ہوا ہوتے نظر آ رہے ہیں۔''

''تنخواہ حرام کی نہیں دی جاتی۔ جرائی کی بیخ کنی تمہارا فرض ہے۔''

''او گاڈ، بالے کو اگلے جنم میں چاہے کسی دھوبی کا گدھا بنا دینا مگر پولیس سارجنٹ ہرگز نہ بنانا۔'' بالے دعائیں کرنے لگا۔ اور خان مسکرایا۔

''دھوبی کے گدھے سے کسی میم صاحب کا کتا زیادہ بہتر رہے گا۔''

''میں تشبیہاً عرض کر رہا ہوں۔''

''جیسی روح ویسے فرشتے۔''

''لیکن ابھی وہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ڈاکٹر کی نوجوان سی اینگلو انڈین نرس گھبرائی ہوئی آ پہنچی۔

''ڈاکٹر صاحب، نمبر ۳ کیو ولٹی کا مریض بری طرح چیخیں مار رہا ہے۔'' اس نے آتے ہی کہا۔

''کیا اسے ہوش آ گیا؟'' ڈاکٹر نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' وہ بولی اور ڈاکٹر ان سے کچھ کہے بغیر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ خان اس کے پیچھے تھا البتہ سارجنٹ بالے کی رفتار آہستہ تھی۔ وہ اس نرس کو نیچے سے اوپر تک دیکھنے لگا۔

''آپ کو کیا تکلیف ہے؟'' نرس نے جلے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''تکلیف؟ ہائے، اسے تکلیف کی والدہ کہا جاتا ہے۔ یہ وہ تکلیف ہے جس کے لیے چچا جان ذوق صاحب فرما گئے ہیں۔'' وہ نرس کے پیچھے چلتے ہوئے کمرے کے

دروازے سے نکل کر بولا۔''وہ فرما گئے ہیں اسے ذوق تکلف میں ہے تکلیف سراسر۔''

''آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟''وہ چلتے چلتے رک گئی۔

''نہ پوچھو مریض غم عشق کیا چاہتا ہے۔''وہ اپنی بے تکی شاعری سے اسے بور کرنے لگا۔''آپ کے وارڈ میں بھرتی ہونا چاہتا ہے۔''

''شٹ اپ۔''نرس نے بیرز مین پر پٹک کر اسے ڈانٹا اور پھر غصیلی نظروں سے گھورتی ہوئی آگے چل دی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# پراسرار موت

تیرے بیڈ پر پڑے ہوئے مریض کی حالت عجیب ہو رہی تھی ۔اس کا تمام چہرہ سرخ ہو رہا تھا ۔آنکھیں جیسے ابلی پڑ رہی تھیں اور وہ بے ربط سے الفاظ منہ سے نکالتے ہوئے کسی ذبح ہونے والے بکرے کی طرح چیخ رہا تھا ۔ڈاکٹر بخاری اور سپرنٹنڈنٹ خان اس کے دونوں طرف کھڑے تھے ۔اس کی چیخیں بڑھتی ہی جا رہی تھیں اور ان میں بھیانک پن پیدا ہو چلا تھا ۔بالکل اس طرح جیسے کوئی اسے مارے ڈال رہا ہو ڈاکٹر نے چوتھا انجکشن بھی زبردستی اس کے دائیں بازو میں داخل کر دیا، مگر اس کی کیفیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ۔وہ اور زور زور سے چیخنے لگا ۔شاید اسپتال کے تمام واردوں کے تمام سوتے جاگتے مریضوں نے بھی اس کی آواز سنی ہو، لیکن کوئی طریقہ کارگر نہ ہو سکا ۔اس طرح حلق پھاڑ کر چیختے ہوئے اس کی آواز گھٹنے لگی اور ھرا چانک اس کی ناک اور منہ سے خون پھوٹ نکلا ۔اس کا چہرہ سرخ ہو کر پھول گیا تھا اور آنکھیں ابلی پڑ رہی تھیں ۔چند سیکنڈ میں ہی اس کا بھاری جسم بے جان ہو کر بستر پر پڑا رہ گیا ۔

''بالکل اسی طرح وہ پچھلی موت بھی واقع ہوئی تھی ۔''ڈاکٹر نے مرنے والے کے احترام میں اپنا فلیٹ ہیٹ سر سے اتار کر ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا ۔

''ہم ۔'' خان نے مختصر سا جواب دیا اور پھر کسی سوچ میں پڑ گیا ۔بالے بھی اس دہشتناک موت کے نظارے سے متاثر ہو کر خاموش ہو گیا تھا ۔

''کیا آپ اس طرح واقع ہونے والی موت کا سبب دریافت نہیں کر سکتے ۔ میرا مطلب وہ طریقِ کار جس سے مریض بتدریج یوں موت کے منہ میں چلا جاتا ہے اور اسے بچایا بھی نہیں جا سکتا ۔''خان نے ڈاکٹر سے پوچھا ۔

Akram Allahabadi

''میں اس پر تحقیق کرنے کی از سرِ نو کوشش کروں گا۔''ڈاکٹر نے وعدہ کیا۔

''اور مجھے اس کے نتائج سے مطلع بھی ضرور کریں گے؟'' خان نے اصرار کیا۔

''یقیناً۔''ڈاکٹر مسکرایا۔

''بالے،تم اس آدمی کا فوٹو لے لو تا کہ ہم اس کی شخصیت کا پتا چلا سکیں۔''خان نے اسے ہدایت کی۔پھر وہ ڈاکٹر سے مخاطب ہو کر بولا۔''اور اگر کوئی آدمی مرنے والے کی لاش حاصل کرنا چاہے یا خود کو اس کا رشتے دار یا واقف کار بتلائے تو آپ اسے رسمی کاروائیوں میں الجھا کر مجھے فوراً خبر کر دیجیے گا۔''خان نے ڈاکٹر سے رخصت ہوتے ہوئے کہا اور ڈاکٹر اثبات میں سر ہلا کر مسکرایا۔بالے نے اس کی دوبارہ تلاشی لی لیکن اس کی تمام جیبیں بھی خالی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆

''رؤف خان۔''چپراسی نے اندر آ کر سپرنٹنڈنٹ خان کو خبر دی۔

''بلاؤ اندر۔''وہ میز پر بکھرے ہوئے کاغذات پر ایک نظر ڈال کر بولا۔اور چپراسی مؤدب طریقے پر واپس چلا گیا۔اس کے جاتے ہی رؤف اندر آ پہنچا۔معمول کے مطابق آج بھی کھدر کے سرتاپا سفید لباس میں اپنی بڑی بڑی مونچھوں کے ساتھ۔وہ کوئی کانگریسی جاگیردار معلوم ہو رہا تھا۔خان کو سلام کرتے ہوئے وہ میز کے نزدیک آ گیا۔

''یہ فوٹو۔''خان نے دراز سے ایک تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھائی۔

''اور ایک تصویر تمہیں فوٹوگراف ڈپارٹمنٹ سے مل جائے گی۔میں نے فون کر دیا ہے۔اس تصویر والے کے بارے میں چند ماہ قبل لال گودام کے علاقے میں پائی جانے والی

لاش کا پنچ نامہ لکھ دینا اور میں اس دوسرے فوٹو والے آدمی کے متعلق کل تک پوری معلومات چاہتا ہوں۔'' خان نے رؤف کو ہدایت کی۔

''بہتر ہے۔'' رؤف نے مؤدب لہجے میں کہا۔

''یہ بھی پتا لگانے کی کوشش کرو کہ کیا ان دونوں میں کسی طرح کا کوئی تعلق تھا؟'' خان نے کچھ سوچ کر کہا۔

''میں کل تک رپورٹ پیش کر دوں گا۔'' رؤف نے وعدہ کیا۔

''اب جا سکتے ہو۔'' یہ کہہ کر خان پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور رؤف فوٹو جیب میں رکھتا ہوا باہر نکل آیا۔

بالے سے اس کی مڈبھیڑ دروازے پر ہی ہو گئی۔

''ہیلو، رفو بھائی۔'' اس نے ٹوکا۔

''یار کبھی تو آدمیوں کی طرح بات کیا کرو، بالے صاحب۔'' رؤف نے جھنجلا کر کہا۔

''ارے واہ، احسان تو نہیں مانتے کہ حرام مونچھ کا خطاب میں نے واپس لے لیا اور اوپر سے دھونس۔'' بالے نے اپنی فراخ دلی کا دعویٰ کیا۔

''بڑا احسان کیا ہے حضور نے۔'' رؤف نے برا سا منہ بنایا۔ ''خدا آپ کو غریقِ لعنت کرے۔'' یہ کہتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا۔

''ہائیں، آپ کی مونچھ پھر ٹیڑھی کی ٹیڑھی۔'' بالے کہتا رہ گیا۔ پھر وہ ناپ ناپ کر قدم رکھتا ہوا خان کے آفس میں داخل ہو گیا۔ بعض اوقات وہ اپنی شرارتوں سے کسی اسکول کا طالبِ علم نظر آنے لگتا۔ حالاں کہ اس کی عمر ۲۸ سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ پولیس ڈپارٹمنٹ میں وہ سب سے زیادہ منہ پھٹ اور زندہ دل سارجنٹ مشہور تھا۔ شاید نچلا بیٹھنا اس کی فطرت ہی نہ تھی۔ وہ کسی نہ کسی کے پیچھے ضرور پڑا رہتا اور جب کوئی نہ ملتا

تو سپرنٹنڈنٹ خان کا ہی مغز چاٹتا۔افسرانِ بالا تک اس کی ان حرکتوں کا برا نہ مانتے تھے، کیوں کہ بہر حال وہ یہ جانتے تھے کہ ڈسپلن کے معاملے میں وقت پر وہ سب سے آگے اور ادائے فرض کے معاملے میں سو فیصدی مستعد تھا۔زیادہ تر وہ رؤف کے پیچھے ہی پڑا رہتا۔حالاں کہ ان میں پرانی اور گہری دوستی تھی۔رؤف کا مزاج گرم بھی تھا اور سرد بھی اور اس نوک جھونک میں کبھی کبھی نوبت سنجیدہ اختلاف تک بھی پہنچ جاتی، مگر پھر وہ خود ہی رؤف کو درست کر لیتا۔انسپکٹر ڈیسوزا، ابراہیم، اسرار، کوئی بالے کی حرکتوں سے محفوظ نہ رہ سکے تھے۔لیکن وہ اس سے ٹکرانے کی بجائے کترا جایا کرتے تھے، ورنہ وہ پیچھے پڑ جاتا تو ایسے ایسے موقعوں پر چوٹ کرتا تھا کہ انھیں لاجواب ہو جانا پڑتا۔بالے اگر ڈرتا تھا تو صرف خان کے گھونسے سے جو اس کے الفاظ میں لوہے کے ہتھوڑے سے کم نہ تھا۔خان اس وقت چھت کو گھورتے ہوئے کچھ سوچ رہا تھا۔

''اسی سال مرمت ہوئی ہے، گرے کی نہیں۔''بالے سامنے پہنچ کر بولا۔

''کیا؟''خان نے چونک کر پوچھا۔

''یہ چھت۔''

''تم تھے کہاں؟''

''سوگز کے رقبے میں۔''

''پھر وہی گدھاپن۔''

''میں نیچے ڈیسوزا صاحب کا سوز و ساز دیکھ رہا تھا۔''

''کیا مطلب؟''

''آپ نے بے چارے سیدھے سادے انسپکٹر پر اتنا بوجھ لاد دیا ہے کہ وہ اپنا وزن کم ہو جانے کا رونا رو رہا ہے۔''

''کسم کے آدمی ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔''

''میرے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا؟''

''اول درجے کے نکمے۔''

''ہے ہے، عشق نے غالب نکما کر دیا... ورنہ ہم بھی آدمی تھے بڑے کام کے۔'' وہ شعر کا حلیہ بگاڑ کر بولا۔ ''مگر میں یہ شعر ایک بڑی بڑی مونچھوں والے آدمی کی شان میں کہہ رہا ہوں۔ بالے صاحب بڑے کام کے آدمی ہیں۔''

''وہ تو معلوم ہے۔'' خان مسکرایا۔ ''کیا ہوا، ڈاکٹر کے پاس گئے تھے؟''

''اوہ... قسم ہے آپ کے آنے والے غصے کی، میں بالکل بھول گیا تھا۔''

مگر اس سے قبل کہ خان کچھ کہے ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ اس نے رسیور اٹھا لیا۔

''ہیلو... یس سر... وہاٹ... ڈاکٹر بخاری کا؟'' وہ چونک پڑا۔ ''او کے سر، ... ابھی جاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے رسیور رکھ دیا اور گھبرایا ہوا سا اٹھ کھڑا ہوا۔

''خیریت؟'' بالے نے بھی اٹھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ڈاکٹر بخاری کا خون کر دیا گیا۔''

''او گاڈ، سالے بہت خطرناک نکلے۔'' وہ بھی جلدی سے اپنا فیلٹ ہیٹ اٹھا کر خان کے پیچھے بھاگا۔

ان کی کار پندرہ منٹ میں ہی اسپتال پہنچ گئی۔ ڈاکٹر بخاری کی لاش ریسرچ روم میں کرسی سے لڑھکی پڑی ہوئی تھی۔ ان کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا اور ان کے پیر پاس ہی ایک بالکل سیاہ رنگ کا تقریباً پانچ انچ بڑا بچھو مرا پڑا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ڈاکٹر نے اسے اپنے جوتے سے مسل ڈالا ہو، کیوں کہ اس کی دم کی کچھ گنڈیریاں ڈاکٹر کے جوتے کے تلے میں چپک کر رہ گئی تھیں۔ ڈاکٹر کا بدن اکدم نیلا ہو رہا تھا۔ خان نے لاش کو غور سے دیکھنے کے بعد جیسے ہی اس کی میز پر نظر ڈالی، وہ چونک پڑا۔ سامنے پڑے

ہوئے سادے پیڈ کے کچھ اوراق پھٹے ہوئے تھے۔اس نے اسی وقت ڈاکٹر کے اردلی سے یہ معلوم کرلیا کہ صبح اس کمرے کو صاف کرتے وقت پیڈ مسلّم تھا اور ڈاکٹر بخاری کے سوا اور کوئی صبح سے اس کمرے میں نہیں آیا۔کوئی تحریر یا تحقیق کرتے وقت ڈاکٹر اس پیڈ پر نوٹس لکھتا جاتا تھا۔خان نے جیب سے محدّب شیشہ نکال کر پیڈ کے کاغذ کو غور سے دیکھا۔ اس پر پنسل سے لکھی گئی کسی تحریر کے گڈھے پڑے ہوئے تھے۔اس نے اس کاغذ کو پھاڑ کر جیب میں ڈال لیا اور پھر کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

کمرے میں رکھی مختلف ادویات اور ڈاکٹری کے آلات کی الماریوں میں سے ایک کا ایک پٹ کھلا ہوا تھا اور اس میں رکھی ہوئی شیشیوں میں سے دو شیشیاں کم نظر آرہی تھیں۔خان نے جھک کر دیکھا اس جگہ دو شیشیوں کے پیندوں کے نشانات بنے ہوئے تھے۔

''کیا صفائی کرتے وقت یہ جگہ بھی خالی تھی؟''خان نے اردلی سے پوچھا۔

''صاحب، میں صحیح طور پر نہیں کہہ سکتا۔میں نے اس پر غور نہیں کیا۔'' وہ صاف لہجے میں بولا۔

کمرے کے باہر اسپتال کے دوسرے ڈاکٹر اور عملے کے لوگ سراسیمہ سے موجود تھے۔وہ ڈاکٹر کی اس طرح واقع ہونے والی موت کا سبب جاننے کے بے چین تھے۔

''صفائی یہاں روزانہ کی جاتی ہے؟''خان نے اردلی سے پوچھا۔

''ہاں، صاحب۔میں خود کرتا ہوں۔'' وہ بولا۔پھر خان کمرے کی کھڑکیوں سے باہر جھانکنے لگا۔باہر ایک طرف پتھریلا ورانڈہ تھا اور دوسری طرف کھڑکی سے کافی نیچے ہری ہری چھوٹی اوب۔

''پھر یہ بچھو کہاں سے آیا؟'' وہ بڑبڑایا۔

''ظاہر ہے کہ پیدل ہی آیا ہوگا۔'' بالے بیچ میں بول پڑا، جس پر خان اسے صرف گھورنے لگا اور اس نے چپ رہنے میں ہی خیریت سمجھی۔

''کمرے کا فرش اور دیواریں پختہ اور آئل پینٹ سے رنگی ہوئی ہیں۔ یہ برآمدہ بھی صاف ہے اور نچلے میدان کی گھاس اتنی چھوٹی ہے کہ اس میں اس قسم کے حشرات الارض کا موجود ہونا قرینِ قیاس نہیں۔'' خان کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''تو پھر لایا گیا ہوگا کہیں سے؟''

''اور اسے لانے کا مقصد محض ڈاکٹر کی موت۔ یہ ضرور بہت زہریلا بچھو ہے۔'' خان مرے ہوئے بچھو کو الٹ کر دیکھنے لگا۔ اتنی دیر میں اسپتال کا ایک اور ڈاکٹر، جوشی، بھی اندر آچکا تھا۔

''جی ہاں، یہ بہت خطرناک بچھو معلوم ہوتا ہے، بہت زہریلا۔'' وہ بولا۔

''میں ابھی تحقیق کر کے بتاتا ہوں کہ اس میں کس قدر اور کیسا زہر رہا ہوگا۔''

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر کو جان بوجھ کر مارا گیا ہے؟''

''ہوسکتا ہے، وہی پیتال والے سانپوں کا سلسلہ ہو۔ ڈاکٹر ضرور اسی پر تحقیق کر رہا ہوگا۔'' بالے نے سنجیدگی سے رائے دی۔

''ڈاکٹر کی موت کس وقت واقع ہوئی؟'' خان نے ڈاکٹر جوچی سے پوچھا۔

''ابھی صرف نصف گھنٹہ گزرا ہوگا۔''

''اس سے پہلے آپ نے انھیں کہاں دیکھا تھا؟''

''وہ صبح سے یہیں مصروف تھے۔''

''لیکن درمیان میں کم از کم کسی کام یا ضرورت سے اٹھے تو ہوں گے؟''

''ہاں، صاحب۔'' اردلی بول پڑا۔ ''صاحب ڈبلوچی گئے تھے کچھ دیر پہلے۔''

Akram Allahabadi

''تو یقیناً اسی وقفے میں کوئی ان کے کمرے میں داخل ہوا ہے۔اس نے میز پر رکھے ہوئے پیڈ سے ڈاکٹر کا نوٹ پیپر پھاڑا ہے اور وہ ڈاکٹر کی واپسی کے انتظار میں کمرے کے اس کونے میں چھپ گیا ہوگا۔'' یہ کہہ کر سپرنٹنڈنٹ خان نے کمرے کے ایک کونے میں ڈاکٹر کی میز سے کچھ دور رکھی ہوئی الماری کے کونے کی طرف اشارہ کیا۔ یہاں شفاف چکنے فرش پر کچھ گیلی مٹی پڑی تھی اور اس پر کسی کے جوتوں کے بہت خفیف سے نشانات نظر آ رہے تھے،اس طرح جیسے کوئی پیر جوڑ کر یہاں چھپا کھڑا رہا ہو۔

''ان نشانات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جوتے معمولی کریپ سول کے تھے۔'' بالے نے رائے دی۔

''ہم۔'' خان بولا۔''اور اسپتال میں زیادہ تر نرسیں اسی قسم سفید جوتے پہنتی ہیں۔''

''تو کیا کوئی نرس...؟'' بالے کہتے کہتے رک گیا۔''مگر بچھو؟'' اس نے پوچھا۔

''ایک بچھو بڑی آسانی سے اس الماری کے پیچھے سے ہاتھ بڑھا کر ڈاکٹر کی کرسی کے پاس چھوڑا جا سکتا ہے۔'' خان نے کہا۔

''لیکن وہ بچھو کوئی دس نمبر بدمعاش تو نہ ہوگا کہ سیدھا ڈاکٹر پر ہی حملہ کرے؟'' بالے جرح کرنے لگا۔ڈاکٹر جوشی اور اردلی حیران سے کھڑے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔

''ارے ٹھہرو۔'' خان کو کچھ یاد آ گیا۔وہ ڈاکٹر کی لاش پر جھک کر اپنی ناک بار بار سکوڑنے لگا۔جیسے کچھ سونگھنے کی کوشش کر رہا ہو۔پھر وہ اِک دم اچھل پڑا۔اس نے ڈاکٹر کے کوٹ کے کالر کے اندر بسے ہوئے سفید رومال کو چٹکی سے تھام کر باہر نکال لیا۔ اس میں ایک عجیب سی میٹھی میٹھی خوش بو بسی ہوئی تھی۔

''میں نے کہیں نہ کہیں کسی خودرو جنگلی پھول میں ایسی خوش بو سونگھی ہے۔ یہ کوئی عطر یا سینٹ نہیں ہوسکتا۔'' وہ بڑبڑایا۔

''لیکن اس خوش بو کا اس واقعے سے کیا تعلق ہے؟'' بالے نے پوچھا۔ شاید ڈاکٹر جوشی بھی یہی پوچھنے والا تھا، مگر وہ کہتے کہتے رہ گیا۔

''یہ میں یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا، پھر کبھی بتاؤں گا۔''

''پوسٹ مارٹم ہوگا ڈاکٹر کی لاش کا؟'' ڈاکٹر جوشی نے پوچھا۔

''یقیناً۔'' خان سنجیدگی سے بولا۔

مگر ابھی وہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ایک اردلی گھبرایا ہوا سا آپہنچا۔ ڈاکٹر اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا۔

''صاحب، مردہ گھر میں مس اعتیا بندھی ہوئی پڑی ملی ہیں۔''

''اعتیا؟'' ڈاکٹر چونک پڑا۔ ''خان صاحب، ضرور وہی کچھ گڑبڑ ہے۔'' وہ یہ کہتا باہر نکلا۔ خان بھی ساتھ ہی تھا۔ سامنے سے اعتیا لڑکھڑاتی ہوئی ایک سسٹر کے ساتھ چلی آرہی تھی۔ وہ سامنے آکر رک گئی۔

''مجھے ایک نرس نے دھوکے سے مردہ گھر میں لے جاکر بے ہوش کر کے باندھ دیا تھا۔'' وہ مضمحل آواز میں بولی۔

''کون تھی وہ نرس؟''

''میں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ وہ مجھے مردہ گھر میں ایک متوفی مریض کو شناخت کرنے کے بہانے لے گئی تھی۔'' اعتیا نے بتایا۔

''تو پھر ضرور وہ تمہاری جگہ ڈاکٹر کے ساتھ رہی ہوگی۔'' ڈاکٹر جوشی نے کچھ سوچ کر کہا۔ پھر وہ خان کی طرف گھوم کر بولا۔ ''یہ ڈاکٹر بخاری کی ہی سروس میں تھیں۔''

''کیا وہ نرس ہاتھوں میں دستانے پہنے ہوئے تھی؟'' سسٹر نے خود اعتیا سے

پوچھا۔

''جی ہاں، سفید۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اسے کسی آپریشن میں ڈاکٹر ساونت کی مدد کرنا ہے۔''

''ہشت، سب بکواس۔'' ڈاکٹر جوشی نے جھنجلا کر کہا۔ ''ڈاکٹر ساونت آج رخصت پر ہے۔''

''اس کا حلیہ بتا سکتی ہیں آپ؟'' خان نے نرمی سے پوچھا۔

''رنگ سانولا اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ ناک پتلی سی تھی اور چہرہ گول۔ قد اور جسامت اوسط۔'' نرس نے یاد کرتے ہوئے بتایا، جسے بالے نے اپنی نوٹ بک میں لکھ لیا۔

''تو اب یہ بات واضح ہو چکی کہ اس نرس کے ذریعے ڈاکٹر بخاری کو محض اس لیے ہلاک کیا گیا ہے کہ وہ ان چیختی موتوں کے اسباب کی کسی صحیح تحقیق پر پہنچ رہے ہوں گے، ورنہ ان کے نوٹس بھی غائب نہ کر دیے جاتے۔'' خان بولا۔

''اسپتال کے تمام دروازے بند کر کے اس نرس کو تلاش کیا جائے۔'' ڈاکٹر جوشی نے اپنے ایک اسسٹنٹ کی طرف مخاطب ہوا، جو قریب آ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''لاحاصل ہے۔ اتنی دیدہ دلیری اور اطمینان سے ڈاکٹر بخاری کا خون کر دینے والی کوئی بھی طاقت اس قدر بے وقوف نہ ہوگی کہ اپنے پیچھے کوئی سراغ کا ذریعہ چھوڑ جائے یا اب تک خود یہاں موجود ہو۔'' خان نے ڈاکٹر کی بات کاٹ دی۔ اسی وقت انسپکٹر ڈیسوزا بھی ابراہیم اور رؤف کے ساتھ آ پہنچا۔ اس علاقے کا انچارج انسپکٹر دلیش پانڈے بھی اس کے ساتھ تھا، وہ خان کو سلام کر کے مؤدب کھڑا ہو گئے۔

''ڈیسوزا صاحب اور آپ مسٹر دلیش پانڈے کیس کی رپورٹ مرتب کر لیجیے اور لاش اور موقع واردات کی تصویریں لے کر اسے پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دیجیے۔''

خان یہ کہتا ہوا ڈاکٹر جوشی اور بالے کے ساتھ اسپتال کے کاریڈور میں چلتا ہا لفٹ کے دروازے پر آ گیا۔

''خان صاحب اس طرح تو ہماری جانیں بھی محفوظ نہیں۔'' ڈاکٹر رک کر بولا۔

''نہیں، ایسے مجرم خواہ مخواہ کسی پر ہاتھ نہیں ڈالتے، وہ صرف اپنی راہ میں آنے والوں کو ہی نشانہ بناتے ہیں۔'' خان نے مسکرا کر جواب دیا۔

پھر وہ لفٹ کے ذریعے گراؤنڈ فلور پر اتر آئے، جہاں ان کی کار باہر پوٹیکو میں اب تک موجود تھی۔ ڈاکٹر نے لوٹ کر اگرچہ سارا اسپتال چھنوا ڈالا، لیکن اس پراسرار نرس کا کہیں پتا نہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# بچّھوؤں کا ناچ

جب وہ گھر واپس لوٹے تو شام ہورہی تھی۔ خان کے بنگلے پر ابراہیم، سپرنٹنڈنٹ خان کی ہدایت کے بموجب اس کا منتظر تھا۔

''کیوں لائے وہ؟'' خان نے ابراہیم سے پوچھا۔

''یہ 'وہ' کوئی ممنوعہ چیز ہے کیا جس کا نام لیتے آپ جھجک رہے ہیں؟'' بالے پوچھ بیٹھا۔

''تم چپ رہو۔'' خان اسے گھورنے لگا۔

''میں چپ ہوں، تم بولو، بیٹے ابراہیم۔'' اس نے معصوم سی صورت بنا کر کہا۔

''لال گودام کے تھانے کے مال خانے میں کوئی پتلی سانپ نہیں ہے۔ سب انسپکٹر شاہ کا بیان ہے کہ ایسی کسی چیز پر نہ تو پولیس نے غور کیا تھا نہ اس کی حفاظت کی گئی۔'' ابراہیم نے بتایا۔ ''ممکن ہے اسے بے کار سمجھ کر پھینک دیا گیا ہو۔''

''اوہ...'' خان سوچ میں پڑ گیا۔ ''خیر، مجھے اب تک اس کی شکل اور سائز کا اندازہ ہے۔ میں کاغذ پر اس کا ایک خاکہ بنا کے تمہیں دیتا ہوں، تم قریشی صاحب کے کارخانے سے ویسے تین چار سانپ ڈھلوا کر لے آؤ، ڈائی وہیں بنوالیں گے۔'' خان جیب سے ایک کاغذ کا ٹکڑا نکال کر میز پر رکھتے ہوئے بولا۔ پھر وہ پنسل سے اس پر کنڈلی مار کر بیٹھے ہوئے ایک چھوٹے سے سانپ کا خاکہ بنانے لگا، جس کی اونچائی تقریباً ایک انچ تھی۔

''قریشی صاحب سے میرا نام لے کر بول دینا کہ وہ خود یہ کام کردیں اور کارخانے کے آدمیوں کو اس کی خبر نہ ہونے پائے۔'' خان نے وہ خاکہ ابراہیم کو دیتے

Akram Allahabadi

ہوئے ہدایت کی۔

''بہت خوب۔'' ابراہین نے کاغذ لے کر جیب میں رکھ لیا اور سلام کر کے باہر نکل گیا۔

''کیا خوب کنڈلی مار کر بیٹھا ہے جوڑا سانپ کا، تو سنیے مہربان...'' بالے پھر شرارتوں پر اتر آیا۔

''آج ہم لال گودام چلیں گے۔'' خان نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیوں، کیا گڑے مردے اکھاڑنے کا ارادہ ہے؟''

''ہم نے اس وقت قاسم کے خون کو آپس کی رنجش کا نتیجہ سمجھ کر اہمیت نہ دی تھی، کیوں کہ اس وقت اس کے پاس سے برآمد ہونے والا پیتل کے سانپ کا نشان بظاہر کوئی مقصد نہیں رکھتا تھا، مگر آج ہمیں نئے سرے سے اس کیس کو زندہ کرنا پڑے گا۔''

''خدا نے یہ وصف صرف حضرہ عیسیٰ کو بخشا تھا۔''

''وہ تو خدا اور پیغمبروں کی باتیں تھیں۔ کہیے تو کچھ میں آپ کو بخشوں؟''

''بالے صاحب بخششیں نہیں لیتے۔ وہ معزز آدمی ہیں۔''

''مگر میں زبردستی ایسی بخششیں دیا کرتا ہوں۔'' خان نے اپنا گھونسا بلند کرتے ہوئے کہا۔

''آں ہاں ہاں، وہ رفو بھائی آ پہنچے، آپ انھیں دے دیجیے۔'' وہ پیچھے ہٹ کر بولا۔ جس پر خان کی نظر دروازے کی طرف اٹھ گئی۔ رؤف اندر داخل ہو رہا تھا۔ وہ مؤدب انداز میں ایڑیاں بجا کر سامنے کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھو، رؤف خاں۔'' خان نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ ''کیا لائے خبر کچھ؟''

''مرنے والے کا نام رتن تھا۔''

''تو ولدیت ایم صادق ہوگی۔'' بالے بول اٹھا۔خان پھر اسے گھورنے لگا۔

''جی ہاں، ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں۔'' وہ حلق میں تھوک نگلتے ہوئے بولا۔

''میں نے ایک فلمی اخبار میں پڑھا تھا کہ رتن کے خالق ڈائرکٹر ایم صادق...''

''اف...فوہ... بہت مغز چاٹنے لوگے ہو۔''

''آپ میری وسیع معلومات کی توہین کر رہے ہیں۔''

''بک بک کروگے تو باہر کردوں گا کمرے سے۔''

''بالے صاحب خدا سے یہی چاہتے ہیں۔پلیز گیٹ می آؤٹ۔ہائے کتنا عمدہ پروگرام ہوگا آج کیفے ڈھیلا مارکا۔''

''وہ رانی گنج کے جواریوں کے ایک گینگ کا لیڈر تھا۔'' رؤف نے بتایا۔

''لیڈر تھا تو منسٹر بن گیا ہوتا، مر کیوں گیا، کم بخت۔'' بالے پھر بول پڑا۔''

''اسی سے جا کر پوچھ لیجیے۔'' خان نے اسے قہر آلود نظروں دیکھ کر کہا۔

''اور لال گودام والا مقتول قاسم بھی ہیرا کنڈ کے جواریوں سے تعلق رکھتا تھا۔'' رؤف نے مزید بتایا۔

''ہیرا کنڈ...کنڈ۔'' خان دہرانے لگا۔''اس گینگ کا نام میں پہلے بھی دو تین بار سنچکا ہوں۔'' وہ بولا۔

''لیکن یہ کوئی نہیں جانتا کہ اس کا ہیڈ کوارٹر کہاں ہے، کون لوگ اسے چلاتے ہیں اور اس سے تعلق کس طرح قائم کیا جاتا ہے۔'' بالے نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہم نے اس پر توجہ بھی تو نہیں دی کبھی۔'' خان بولا۔''ویسے چوری چھپے جواریوں کے ایسے اور بھی معمولی گینگ شہر میں موجود ہیں۔''

''پھر اب کیا خیال ہے؟''

''اس کا پتا چلانا پڑے گا۔''

''وہ کیوں؟ کیا آپ اب جواریوں کے پیچھے پڑیں گے۔آخر اتنا بڑا محکمہ اتنے بہت سے اسسٹینٹس بھی تو ہیں۔''بالے نے جھنجلاہٹ کا اظہار کیا۔

''اس کی پوشیدہ حیثیت نے اسے کافی پراسرار بنا دیا ہے۔ممکن ہے یہ سلسلہ جرائم کی کوئی بڑی تنظیم ہو۔''

''تنظیم پسندی کا یہی حال رہا تو یقیناً ایک دن جواریوں،شرابیوں اور مجرموں کی بھی یونینیں بننے لگیں گی۔''

''میں نے تمہیں سیاسی قیافہ آرائیاں کرنے کو نہیں کہا ہے۔''

''ہے ہے،اس آرائیاں پر۔عبدالرفوغم صاحب کا ایک شعر یاد آ گیا۔''

''پھر بہکنے لگے آپ۔''رؤف نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

''کوئی کم بخت بہکتا ہے ذرا سی پی کر،ہم تو مے خانہ بھی پی ڈالیں،تیری مونچھوں کی قسم،اے ساقی۔''بالے نے اپنی بے تکی شاعری شروع کر دی۔

خان زیرِلب مسکرا دیا،لیکن رؤف کا منہ بن گیا۔وہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ خان نے بات چھیڑ دی اور بالے چھت کو گھورنے لگا۔

''تم رتن کے قریبی دوستوں اور خاص کر اس کے ہم پیشہ واقف کاروں کا سراغ لگاؤ،ممکن ہے ان میں سے کوئی اس کی موت پر کچھ روشنی ڈال سکے۔''خان نے رؤف کو ہدایت کی۔

''بہتر ہے۔''

''اور،بالے،تم اسرار اور ابراہیم کی ڈیوٹ لال گودام کے بدنام ہوٹل لکی اسٹار پر لگا دو،وہ اس کی خفیہ نگرانی کریں گے۔مجھے شک ہے کہ اس ہوٹل کے کسی پوشیدہ حصے میں قمار خانہ بھی ہے۔''خان نے بالے کو ہدایت کی۔

''جو حکم،عالی جاہ۔''

Akram Allahabadi

''تم جا سکتے ہو، رؤف خاں۔'' خان نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''بہتر ہے۔'' رؤف اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں تمہارے وطن فرخ آباد کو تار دیے دیتا ہوں کہ تیجے اور چالیسویں وغیرہ کا انتظام کر کے رکھیں۔'' بالے نے چلتے چلتے رؤف کو پھر چھیڑ دیا۔ خان دوسرے کمرے میں جا چکا تھا۔

''بالے صاحب، فرخ آبادی بڑے سخت جان ہوتے ہیں۔''

''امراؤ جان کی نسل سے ہوں گے۔''

''لاحول ولاقوۃ، یہ کیا بے ہودگی ہے۔''

''میں سخت جان کا قافیہ ملا رہا تھا۔ ویسے تخت جان، کم بخت خان وغیرہ وغیرہ بھی موزوں رہیں گے۔''

اس وقت خان کی آواز نے ان کی گفتگو منقطع کر دی اور وہ رؤف کا جواب سنے بغیر ہی اندر چلا گیا۔

کچھ دیر بعد ان کی کار شہر کے مشرقی حصے کی طرف جا رہی تھی۔ اس طرف آبادی چھتری ہوئی تھی۔ جگہ جگہ خودرو درختوں اور سبز گھاس والے میدان چھوٹے ہوئے تھے۔ ان میں کہیں کہیں پرانے بوسیدہ مکانوں کے کھنڈرات بھی نظر آ رہے تھے۔

''ہوا کا رخ کس طرف ہے؟''

''قطب نما خرید لو۔''

''میں قطب مینار خریدنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ لیکن یہ آپ چل کہاں رہے ہیں؟''

''کسی ویرانے میں۔''

''ہوائے عشقگی ہوگی۔ لو سے زیادہ مہلک ہوا کرتی ہے۔''

''اپنا اپنا تجربہ ہے، بیٹے۔''

''اس سلسلے میں مجھے ایک شاعر کا شعر یاد آ رہا ہے۔ وہ یقیناً ماہرِ ہوائیات وغیرہ وغیرہ رہا ہوگا۔

''تم اپنے شاعرانہ ذوق کو اگر کسی پڑھے لکھے آدمی کو بخش دو تو زیادہ بہتر ہے۔''

''پولیس ڈپارٹمنٹ میں آپ سے زیادہ پڑھا لکھا تو کوئی نظر نہیں آتا۔''

لیکن خان نے جواب دیے بغیر گاڑی ایک جگہ روک دی۔ یہاں سڑک کے کنارے سیلن کی بدبو میں بسا ہوا ایک پرانی عمارت کا کھنڈر تھا جس کے اردگرد مٹی کے تودوں والی زمین پر بدبودار جنگلی اور خودرو گھاس پھیلی ہوئی تھی۔

''کیا کسی پیر فقیر کا مزار تلاش کرنا ہے یہاں؟''

''تمہارے مزار کے لیے جگہ منتخب کرنی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ اقعی زمین پر جھک کر کچھ دیکھنے لگا۔ یہس سیلی ہوئی زمین کے مٹی کے ٹیلوں میں جگہ جگہ سوراخ تھے جن کے اندر باہر مختلف قسم کے چھوٹے چھوٹے کیڑے رینگ رہے تھے۔

''آخر آپ کرنا کیا چاہتے ہیں؟'' بالے نے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

''بچھو۔'' خان بولا۔

''کہاں؟''

''تم الو ہو۔''

''یا خدا، آپ تو باتیں بھی بہکی ہوئی کرنے لگے۔'' بالے اسے حیرت زدہ نظروں سے تکتے ہوئے بولا۔ لیکن خان نے اس کی پرواہ کیے بغیر ایک جگہ چند چھوٹی خودرو جھاڑیوں کے نزدیک جیب سے ایک بڑا سا سفید رومال نکال کر پھیلا دیا اور بالے کا ہاتھ تھام کر کچھ دور آ بیٹھا۔

Akram Allahabadi

''آپ کوئی مداری کا تماشہ کرنے والے ہیں شاید؟''

''شاید۔'' خان مسکرایا، لیکن بالے دور سے یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بمشکل ایک منٹ بعد ہی اس ٹیلے اور آس پاس کی زمین کے سوراخوں اور جنگلی گھاس کے درمیان سے چھوٹے چھوٹے بھورے سیاہ کیڑے اس سفید رومال کی طرف متحرک نظر آنے لگے۔

خان نے یہ دیکھ کر جیب سے چمڑے کی ایک چھوٹی سی تھیلی نکالی اور دوسری طرف سے دوسفید دستانے نکال کر ہاتھوں پر چڑھا لیے۔

''سانڈے کا تیل بیچنے والے بھی یہی دھندا کرتے ہیں۔''

''اپنے آبائی پیشے کے بارے میں کافی معلومات ہیں تمہیں۔'' خان نے جواب دیا۔

''آپ ضرور ان کیڑے مکوڑوں کی بددعائیں لیں گے۔''

''یہ کیڑے مکوڑے نہیں، برخوردار، بچھو ہیں۔قریب چل کر دیکھو۔'' یہ کہتا ہوا وہ خود اٹھ کر رومال والے ٹیلے کے نزدیک آ گیا۔اس نے دستانے ہاتھوں پر چڑھا لیے اور رومال کے نزدیک ہوگیا۔بالے ابھی تک پانچ قدم دور کھڑا تھا۔وہ خان کی اس عجیب حرکت کو تعجب اور دل چسپی کی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور اسے زیادہ حیرت یہ دیکھ کر ہو رہی تھی کہ کئی سمتوں سے آئے ہوئے چھ سات بچھو اس رومال پر ناچ رہے تھے۔ان کے ڈنگ اوپر کی طرف اٹھے ہوئے تھے۔

''سپیرے تو سنے تھے، مگر بچھیرے دیکھ لیے۔'' بالے نے کسی بوڑھی عورت کی طرح کان تھام کر حیرت کا اظہار کیا۔اتنے میں خان نے چمڑے کی تھیلی کا منہ کھول کر دوسرے ہاتھ سے ان میں سے ایک ایک بچھو کو اٹھا کر تھیلی میں ڈالنا شروع کیا۔پھر اس نے وہ رومال بھی اٹھا لیا اور اسے تہہ کر کے جیب سے ایک سادہ لفافہ نکال کر اس میں

رکھے ہوئے لفافے کو بند کر دیا۔

''چلو، آؤ چلیں۔'' وہ دستانے اتار کر جیب میں ڈالتے ہوئے بولا۔

''اب آپ بھنڈی بازار میں سانپ بچھو کے کاٹے کی دوا کا مجمع لگائیں گے۔''

''اور تجربہ تم پر کر کے دکھایا جائے گا۔''

''میں اپنی آئندہ شریمتی جی کا اکلوتا پتی دیو ہوں، گرو جی۔''

''وہ کسی اور کا گھر بسا لے گی۔''

''اور میرے ہونے والے دو دو رجن بچے؟''

''یتیم خانوں کی کمی ہے کیا۔''

''تو مجھے بھی وہیں بھرتی کرا دیجیے۔''

''اس تجربے کے بعد۔''

''قربانی کا بکرا کوئی اور نہیں ملا کیا آپ کو۔ مثلاً بھائی اسرار پراسرار۔''

''بکو مت، تم مرو گے نہیں۔''

''ارے واہ، یعنی آپ سات بچھوؤں سے کٹائیں گے مجھے اور میں پھر بھی بقید حیات رہوں گا۔''

''مرے کیوں جا رہے ہو، سات ہی تو ہیں۔''

''جنت کا ٹکٹ تو ان میں سے ایک ہی دلا سکتا ہے۔''

''چلو گاڑی میں بیٹھو۔''

''آپ ضرور آج کسی خطرناک موڈ میں ہیں۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔''

''سیدھے چلو، مردود۔'' خان نے اسے اسٹیرنگ کے پاس والی نشست پر

Akram Allahabadi

دھکیل دیا اور ان کی گاڑی واپس شہر کی طرف روانہ ہوگئی۔

''وہ رومال...؟ ڈاکٹر بخاری کے کالر کے نیچے گلے سے لپٹا ہوا پایا جانے والا رومال تو مختلف اور چھوٹا تھا نا؟'' بالے نے چلتے چلتے خان کو چھیڑ دیا۔

''وہ بھی میرے پاس موجود ہے اور اس میں بسی ہوئی اس جنگلی بو کو میں نے اس رومال میں بھی بسا لیا ہے۔'' خان نے بتایا۔

''آپ کی باتیں آج کچھ پلّے نہیں پڑ رہیں۔''

''عقل مندوں کے لیے ہی اشارہ کافی ہوا کرتا ہے۔''

''میں اس وقت کافی نہیں فقط چائے پینے کے موڈ میں ہوں۔''

''عالم تصور میں پیتے چلو، فرصت ہی فرصت ہے۔''

''کہاں چلنا ہے؟''

''سردست صرف گھر۔''

اور واقعی گاڑی کا رخ اس وقت خان کے بنگلے کی طرف ہی تھا۔

وہ جب کار باہر لان میں چھوڑ کر بنگلے میں داخل ہوئے تو اسرار پہلے سے موجود تھا اور اس کے سامنے ہی ایک سفید خرگوش جس کے بال مونڈ دیے گئے تھے، میز کے پائے سے بندھا ہوا تھا۔

بالے ایک نظر اسرار کو دیکھ کر بے بال کے اس خرگوش کو دیکھنے لگا۔

''یہ معاملہ کیا ہے آخر؟'' وہ پلٹ کر خان سے بولا۔

''کچھ نہیں، تم صرف اپنا موونگ کیمرہ نکال لاؤ۔''

''میرا کمرہ نقل و حرکت نہیں کرتا۔''

''کیمرہ بول رہا ہوں، سور۔''

''اوہ، تو آپ کوئی جادوئی فلم بنا رہے ہیں۔''

Akram Allahabadi

خان نے جواب دیے بغیر اپنی میز کی دراز کھول کر اس میں سے ایک چمڑے کا پیکٹ نکالا اور پھر اسے کھول کر اس میں سے وہ رامل نکال لیا جو ڈاکٹر بخاری کے گلے میں کالر کے اندر لگا تھا۔

سفید دستانے وہ پھر پہن چکا تھا۔اس نے وہ رومال اس خرگوش کی پیٹھ پر باندھ دیا۔خالی ٹب لانے کی ہدایت کی جو فوراً ہی آ گیا۔اس کے بعد ہو باہر بغیچے میں نکل آیا۔یہاں اس نے اس بغیر بالوں والے خرگوش کو ایک پودے کے تنے سے باندھ دیا اور سب کو دور ہٹ آنے کا اشارہ کر کے خود بھی تقریباً دس پندرہ قدم پیچھے آ گیا۔

''میں جس وقت کہوں اسی وقت ان بچھوؤں کو جوتوں سے رگڑ ڈالنا۔'' خان نے انھیں ہدایت کی۔

''یا خدا، گرمی کی لہر کم کر دے۔میرے باس کو کچھ ہو گیا ہے۔''

''چپ رہو، احمق۔'' یہ کہہ کر خان نے وہ چمڑے کی تھیلی نکال لی۔

''تم لوگ برآمدے میں کھڑے ہو کر تماشہ دیکھو۔اور ہاں، بالے، تم وہاں اس درخت کے شاخ پر کھڑے ہو کر اس تجربے کی فلم لو۔''

''اور کوئی بچھو اگر مزاج پرسی کے لیے اوپر آ گیا تو؟'' بالے نے معصومیت سے کہا۔

''کم از کم اس کے کاٹنے سے مرو گے نہیں۔یہ بچھو بہت زہریلے بھی نہیں معلوم ہوتے۔''

''ٹھہریے، پہلے میں کسی شہید مرد کا فاتحہ پڑھ لوں۔''

''جلدی کرو، ورنہ میں تمہارا فاتحہ پڑھ دوں گا۔''

''یہ لیجیے، زور آور سنگھ مارا یا ورروتے بھی نہ دے۔''

وہ بڑبڑاتا ہوا دوشاخے والے درخت پر چڑھ گیا اور اس نے بیٹری سے

Akram Allahabadi

چارج ہونے والا اسپاٹ لیمپ آن کر کے کیمرے کی آنکھ اس منظر کسی پر لگا دی۔ اسرار اور ابراہیم اور غلام رسول برآمدے میں چلے گئے اور خان نے چمڑے کی تھیلی کا منہ کھول کر اسے زمین پر رکھ دیا۔ بچھو یکے بعد دیگرے تھیلی سے باہر نکل پڑے، لیکن ہوا لگتے ہی انھیں نہ جانے کیوا ہوا کہ پہلے تو انھوں نے چاروں طرف چکر کھائے اور پھر آگے پیچھے اس خرگوش کی طرف دوڑ پڑے۔

''آہا، ریس کورس کا مزہ آرہا ہے۔'' بالے اوپر سے بولا۔

لیکن اس وقت وہ حیرت زدہ رہ گیا جب ان بچھوؤں نے خرگوش کے پاس پہنچتے ہی اس پر حملہ کر دیا۔ سب سے پہلے وہ اس کے جسم پر چڑھ کر رومال تک پہنچنے کی کوشش کرنے لگے، جس پر خرگوش جوا چھلا کودا تو وہ اس کے ننگے جسم سے اس طرح چمٹ گئے، جیسے اس کے گوشت میں گھس جائیں گے اور ذرا سی دیر میں ہی وہ تڑپ تڑپ کر وہیں ٹھنڈا ہو گیا۔ بالے اس منظر کو ۱۱۶ ایم ایم کے باریک فلمی فیتے پر فلما رہا تھا۔ خرگوش کے مرنے کے بعد بچھوؤں نے اس کے مردہ جسم کو چھوڑ دیا اور اس بندھے رومال کے اردگرد دم اٹھا کر ناچنے لگے۔

''آپ کا کیا خیال ہے، یہ لوگ شاید کتھک کا رقص پیش کر رہے ہیں۔'' بالے وہین سے بولا۔

''بیٹے، یہ موت کا رقص ہے۔''

''باپ رے۔ میں تو کوئی ہندوستانی کلاسیکل ڈانس ہی سمجھا تھا۔''

''تمہاری سمجھ کا کیا جواب۔'' خان بڑبڑاتا ہوا ان بچھوؤں کے قریب آگیا۔ لیکن وہ اب تک شاید رقص میں مست تھے۔ خان نے کچھ سوچ کر انھیں جوتوں سے مسلنے کی بجائے چٹکی سے اٹھا اٹھا کر پھر اس چمڑے کی تھیلی میں ڈال لیا۔

''اب کیا برساتی الو کی طرح درخت پر سمٹے بیٹھے ہو، بالے صاحب۔'' اسرار

نے برآمدے سے نیچے آکر بالے پر پھبتی کسی۔

''الّو کو ہر ایک شے میں الّو نظر آتا ہے۔'' بالے بلند آواز میں شاعری فرماتا نیچے اتر آیا۔

''اسرار، انھیں ابھی کسی مٹی سے بھرے مٹکے میں رکھو، لیکن ہوا کی گنجائش رکھنا تاکہ مرنے نہ پائیں۔ ممکن ہے ہمیں پھر ان کی ضرورت پڑے۔'' خان نے وہ تھیلی اسرار کی طرف بڑھا دی۔

''اب سوال یہ ہے کہ اس طریقۂ قتل کا موجد کون ہے اور قتل کس نے اور کیوں کیا ہے؟'' خان بڑبڑاتا ہوا برآمدے میں کرسی پر آ بیٹھا۔

''ان تمام سوالوں کو حل کرنے کے لیے حاتم طائی کا بھیجا چاہیے۔''

''بچھوؤں کو دیوانہ وار اپنی طرف کھینچنے اور انھیں مست کر دینے والی اس خوشبو کا راز صرف کوئی جنگلی جڑی بوٹیوں کا ماہر یا پھر کوئی ماہرِ حشرانیات ہی جان سکتا ہے۔'' خان نے کہا۔

''آپ ماہرِ بچھویات کہتے تو زیادہ موزوں رہتا۔''

''چپ رہو۔'' خان نے اسے ڈانٹا اور پھر چھت کو گھورنے لگا۔

''پہلا خون قاسم کا ہوا، دوسرا رتن کا، دونوں ایک ہی سلسلے سے وابستہ تھے اور ان کی موت واقع ہونے کے اسباب بھی ڈاکٹر بخاری کی موت سے جداگانہ تھے، لیکن ان کی موت کے راز کو جاننے کی جب ڈاکٹر بخاری نے کوشش کی تو اسے اس دوسرے طریقے سے ہلاک کر دیا گیا۔'' خان بڑبڑاتا رہا۔ اور بالے اس کی صورت تکتا رہا۔

''مگر وہ نرس کون ہو سکتی ہے؟'' خان پھر بولا۔

''یقیناً کوئی بہت خوب صورت سی لڑکی ہوگی۔''

''بلی کو ہمیشہ خواب میں چھیچھڑے ہی نظر آتے ہیں۔''

Akram Allahabadi

''آپ قدر کی صناعی کی توہین کر رہے ہیں۔ایک نرم و نازک حسین لڑکی اور چھچھڑے۔خدا آپ کے ذوقِ سلیم کی مرمت کرے۔''

''تو لایئے پہلے میں آپ کی ہی مرمت فرما دوں۔''خان جھنجلا کر اٹھا۔

''آپ اس نرس کے بارے میں کچھ سوچ رہے تھے۔''بالے نے جلدی سے بات کا رخ پھر گھما دیا اور خان مسکرا کر پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

''سانولی رنگت، گول چہرہ، بڑی بڑی آنکھیں، پتلی ناک اور میانہ قد۔'' خان پھر بڑبڑانے لگا۔

''آہاہا...کیا سراپا کھینچا ہے آپ نے۔کہاں ملتی ہے وہ؟''

''جہنم میں۔''

''جنت کی ہزار سالہ حوروں سے تو اچھی ہی ہوگی۔''

''بس اتنی ہی مزے دار جتنی ڈاکٹر بخاری کو معلوم ہوئی۔''

''قلوپطرہ کی بہن ہو سکتی ہے وہ۔''

''تلاش کرو، تجربہ ہو جائے گا۔''

''بشرطیکہ جملہ حقوق بالے صاحب محفوظ ہوں۔''

''بھینس آئی نہیں اور دروازہ پھوٹ گیا۔''

''اگر وہ بینس ہوئی تو میں ایک ڈیری فارم کھولوں گا۔''

''اچھا بکواس بند، جاؤ کپڑے تبدیل کرو۔ہم بھیس بدل کر لال گودام چلیں گے۔''

''کون سا میک اپ چلے گا؟''

''ایک نیم پاگل فوجی افسر اور اس کا عقل مند ساتھی۔''

''ظاہرہ کہ میں عقل مند آدمی ہوں۔''

Akram Allahabadi

''پاگل پن کی اداکاری تمہیں کرنی پڑے گی۔اور لال گودوم میں ہم میجر سعید کے مہمان رہیں گے۔''

''میجر سعید، وہ بد دماغ بڈھا۔''بالے نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''ہاں۔لیکن ان کی بھتیجی پروین مزاج کی بہت تیز ہے، اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہ کرنا۔''

''میں جانتا ہوں کیوں ڈرا رہے ہیں آپ مجھے، لیکن میری بے تکلفی کا مطلب بے ہودگی کبھی نہیں ہوتا اور پھر کسی شریف باپ کی شریف بیٹی میرے لیے...''

''ماں کے برابر ہوتی ہے۔''خان نے مسکرا کر بات کاٹ دی۔

''اپنا اپنا خیال ہے۔''بالے نے برجستہ جواب دیا، مگر کان سنے بغیر اپنے لائبریری روم میں چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# نپولین

تقریباً ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہ جب بنگلے سے نکل کر باہر کھڑی ہوئی کار میں بیٹھے تو کوئی نہیں ۹س دیکھ کری وہم اگمان بھی نہ کر سکتا تھا کہ وہ محکمہ سراغ رسانی کا انچارج سپرنٹنڈنٹ خان اوراس کا اسسٹنٹ سارجنٹ بالے ہوں گے۔ بالے اس وقت ایک فوجی کپتان کے لباس میں تھا جس نے مختلف ڈیزائن اور اقسام کے بہت سے میڈل اور فوجی اعزاز کی کئی پٹیاں لگا رکھی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام تر فوجی اعزاز اتفاق سے اسی کو مل گئے ہوں۔ خان اس کے ساتھی لیفٹننٹ کے لباس میں تھا اور بشرے سے کسی قدر اکتایا ہوا، مگر سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ بالے کے چہرے پر ایک عجیب سا ہونق پن تھا جسے دیکھ کر لوگ مسکرائے بغیر نہ رہتے۔ وہ بڑی شان سے اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا۔

''میرا تو جی چاہتا ہے کہ سچ مچ فوج میں بھرتی ہو جاؤں۔''

''تم جیسے لائق آدمی کو تو بمشکل حوالداری ملے گی وہاں۔''

''اس وقت تو بہر صورت میں کپتان ہوں۔''

''ہاں، لیکن تقریباً پاگل، اور ایک ایسا فوجی افسر جس کی ملک کے مطابق اس کے اندر فاتح اعظم نپولین کی روح موجود ہو۔'' خان نے کہا۔

کافی مشکل کروارا دا کرنا تھا اسے، تاہم وہ قطعی مطمئن نظر آ رہا تھا۔

''گاڑی سنٹرل پولیس اسٹیشن پر چھوڑ دو، ضرورت پڑے گی تو منگالیں گے۔'' خان نے بالے کو ہدایت کی۔

''تو کیا چالیس قدمی فرمانے کا ارادہ ہے؟''

''ہم ٹیکسی سے چلیں گے، تا کہ ہماری گاڑی کو سینٹرل پولی ۹س اسٹیشن پر موجود

دیکھ کر دوسرے لوگ اسی گمان میں رہیں کہ ہم سینٹرل پولیس اسٹیشن میں موجود ہیں۔'' خان نے کہا۔

چنانچہ گاڑی سینٹرل پولیس اسٹیشن کی عمارت کے اندر داخل ہوگئی۔انھوں نے کار یارڈ میں کھڑی کردی اور بغیر کسی سے ملے یارڈ کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گئے۔یہاں انھیں ٹیکسی حاصل کرنے میں کوئی دقت نہیں پیش آئی، لیکن یہ ٹیکسی بھی انھوں نے اتنی دور جا کر پکڑی جس سے کسی کو یہ شبہ بھی نہ ہو کہ وہ سینٹرل پولیس اسٹیشن سے نکل کر آنے والے دو آدمی ہیں۔

میجر سعید سے خان فون پر پہلے ہی گفتگو کر چکا تھا اور پروگرام کے مطابق جس وقت وہ لوگ ٹیکسی سے اتر کر میجر کے بنگلے کے برآمدے میں داخل ہوئے تو وہ ان کا ہی انتظار کر رہا تھا۔

بھاری جسامت والا ایک بچے کی طرح معصوم فطرت، گرت چڑچڑے قسم کا ادھیڑ عمر آدمی جو اپنی خانگی زندگی میں بھی اسی رعب و داب کا حامل تھا۔یہاں تک کہ اس کے گھریلو نوکروں کو بھی یہ ہدایت تھی کہ وہ اسے 'صاحب سلام' کی جگہ صرف ایڑی بجا کر سلیوٹ مارا کریں۔اور انھیں جب کوئی نوکر بے چارہ غیر فوجی انداز میں ڈھیلا سا سالم کر لیتا تو اس کی کم بختی آجاتی۔میجر سعید کا قول تھا کہ دنیا میں ہر شخص کو فوجی ہونا چاہیے۔ مضبوط اور باہمت فوجی، تاکہ پھر کوئی بڑی مچھلی کسی چھوٹی مچھلی کو نہ نگل سکے۔اور ہر ایک اپنی حفاظت آپ کرے۔

لال گودام کے علاقے میں میجر سعید کافی معزز اور بااثر شخصیت مانے جاتے تھے اور ترقی پسند سوسائٹی کے افراد کے علاوہ عام لوگ بھی ان کی کافی عزت کرتے تھے۔ اس علاقے کے 'بہار' لوگ بھی ان سے گھبراتے تھے، کیوں کہ میجر ایسے افراد سے براہِ راست گفتگو اپنی بندوق کے ذریعے کرتے تھے۔ایک بار انھوں نے اپنے نوکر سے لڑ

پڑنے والے ایک بڑے غنڈے کو پنڈلی میں گولی مار کر لنگڑا کر دیا تھا اور تب سے یہ 'بہادر' لوگ بھی انھیں سلام کرنے لگے تھے۔

''آپ شاید صرف میری آواز سے ہی اس وقت مجھے جان سکیں گے۔'' خان مسکرایا۔

''ہاں بھئی، یہی تو دیکھ رہا ہوں کہ تم آدمی ہو یا جادوگر۔ تمہارے ابا مرحوم تو بڑے سیدھے سادے آدمی تھے۔''

''جی ہاں، قبلہ۔ وہ مثل مشہور ہے نا کہ اولیا کے پیٹ میں...'' بالے بیچ میں کود پڑا۔

''شیطان۔'' میجر نے برا سا منہ بنا کر اس کا جملہ پورا کر دیا۔ ''مگر تم کون تمیز دار آدمی ہو جی، جو بڑوں کی گفتگو میں اس طرح دخل دیتے ہو۔'' میجر کا لہجہ روکھا ہو گیا تھا۔

''مم... میں تو مثال عرض کر رہا تھا۔'' بالے نے اٹکتے اٹکتے کہا۔

''میں کیا جغرافیائی احمق ہوں کیا، جو تم مجھے مثالیں پڑھا رہے ہو۔'' میجر نے اسے گھورا۔ خان مسکرا رہا تھا۔

''باپ رے، یہ بڈھا تو سوا سیر معلوم ہوتا ہے۔'' بالے بہت آہستہ سے خان کے قریب بولا۔

''غیبت کر رہے ہو میری؟''

''جی نہیں، قبلہ۔ میں... میں تو کہہ رہا تھا... آپ... آپ شیر معلوم ہوتے ہیں۔''

''اس میں کیا شک ہے۔ ہم فوجی لوگ شیر تو ہوا ہی کرتے ہیں۔ ہماری مادائیں بھی شیرنی سے کم نہیں ہوتیں۔ میری بیوی نے ۴۳ء کے آندولن میں خود ایک

پولیس افسر کو گولی ماردی تھی۔''میجر نے اپنی گھنی مونچھوں کے دونوں سروں کو مل دیتے ہوئے کرسی پر بیٹھ کر کہا۔

''پولیس افسر کو؟''بالے چونکا۔

''ہاں۔کیوں؟ وہ تو پولیس والوں کی جانی دشمن تھی۔''میجر نے پلکیں جھپکا کر جواب دیا۔

''اور آپ؟''

''میری بات جدا گانہ ہے۔''میجر نے لاپرواہی سے گردن کو جھٹک کر کہا۔ ''میں انھیں جنت کے معصوم چوہے سمجھتا ہوں۔''

''یہ کیا منطق ہے؟''بالے نے خان کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''یہ منطقہ جارہ ہے، برخوردار۔تم نے کبھی جغرافیہ کی دم دیکھی ہے؟ مگر نہیں دیکھی ہوگی۔جب کسی شریف آدمی کے دماغ پر گرمی چڑھتی ہے تو وہ خواہ مخواہ پولیس افسر بن جاتا ہے۔''

میجر نے اپنی مبہم گفتگو جاری رکھی۔''کیوں، کیپٹن؟''اس نے خان سے تصدیق چاہی۔

''جی کیپٹن میں نہیں، یہ ہیں۔''خان نے بالے کی طرف اشارہ کیا۔''میں صرف لیفٹنٹ ہوں۔''

''اوہ۔ہاں... میں تو تعارف حاصل کرنا بھول ہی گیا تھا۔''میجر کو جیسے یاد آگیا۔

''کیا نام ہے، بیٹے،تمہارا؟''اس نے بالے کی طرف گھوم کر پوچھا۔

''کیپٹن تگڑم باز خاں کہتے ہیں خاکسار کو۔''

''لاحول ولاقوۃ۔کیا لغو نام ہے۔تم اپنے والدین کی اتفاقیہ اولاد معلوم

ہوتے ہو۔'' میجر نے جھنجلا کر کہا۔ جس پر بالے کا منہ بن گیا، مگر خان نے اس کا ہاتھ دبا دیا اور اسے اپنی حاضر جوابی کا گلا گھونٹ کر خاموش ہو جانا پڑا۔

''وہ آپ میرے والدین کو جنت میں تار دے کر پوچھ لیجیے۔ ویسے خاکسار کو یہی کہتے ہیں۔''

''عنایت اللہ خاں المشرقی کی اولاد معلوم ہوتے ہو۔''

''میں نے ازراہِ انکساری عرض کیا ہے، میں اس ذات کا خاکسار نہیں ہوں۔''

''مجھے بات بات پر فرشِ راہ ہو جانے والے منکسر المزاج لوگ پسند نہیں۔ اس لیے میں پولیس والوں کو جنت کے چوہے کہتا ہوں، کیوں کہ زمانے بھر کے دھت کر کے وہ جب خدا اور بھگوان کو اچھی بخشش کے لیے یاد کرنے بیٹھتے ہیں تو احساسِ تقصیر سے بالکل چوہے بن جاتے ہیں۔ میں نے ایک پنشن یافتہ پولیس آفیسر کو دیکھا ہے۔ وہ تمام رات چھت سے الٹا لٹک کر توبہ استغفار کیا کرتا تھا۔'' میجر نے اپنی بے سر پیر کی بحث جھاری رکھی۔

''اس بندہء خدا نے ایسے گناہ نہیں کیے ہیں جن کے لیے اسے اس درجہ شرمندہ ہونا پڑے۔'' بالے ڈھٹائی سے بولا۔

''اپنا اپنا خیال ہے، ورنہ میں تو سمجھتا ہوں کہ جنت کی حوریں ایسے تمام امیدواروں کو پھانسی پر چڑھا دیں گی جو کسی پولیس ڈپارٹمنٹ سے آئے ہوں۔''

''قبلہ، مجھے سارجنٹ بالے کہتے ہیں۔ میں بھی بہت بولتا ہوں، مگر آپ کی بزرگی کا احترام مدِّ نظر ہے۔'' بالے نے سنجیدہ صورت بنا کر کہا۔ لیکن میجر اس پر قہقہہ مار کر ہنس پڑا اور کئی سیکنڈ تک ہنستا رہا۔ خان مسکرا رہا تھا۔ بالے پیچ و تاب کھانے لگا۔

''دیکھا... دیکھا، خان صاحب، ہاہاہا... دیکھا آپ نے ... کیا حالت ہو گئی

Akram Allahabadi

بے چارے کی۔آپ کہتے تھے بڑا شیطان ہے... ہا ہاہا...''میجر کا لہجہ بدل گیا۔

پھر وہ اک دم سنجیدہ ہو کر بالے سے مخاطب ہوا۔''سارجنٹ، خان صاحب کہتے تھے کہ تم بہت حاضر جواب ہو اور اسی لیے میں اتنی دیر سے تم سے الجھ رہا تھا، مگر تمہیں ماننا پڑے گا کہ ابھی تمہیں اور تجربے کی ضرورت ہے۔''

''میجر صاحب بہت دل چسپ آدمی ہیں۔''خان بھی بالے سے مخاطب ہوا۔

''اچھا خیر، اب یہ بتاؤ تم کرنا کیا چاہتے ہو؟''میجر نے بات کاٹ کر پوچھا۔

''ایک خفیہ منظم اور خطرناک سلسلۂ جرائم کا سراغ لگانا ہے ہمیں۔اور مجھے شک ہے کہ اس علاقے سے ضرور اس کا کچھ تعلق ہے۔''

''تو پھر؟''

''بالے کپتان شریف کے بھیس میں مدت بعد واپس آنے والے آپ کے بھتیجے کی حیثیت سے یہاں مقیم رہیں گے اور میں ان کے دوست اور ماتحت لیفٹنٹ تمّم کی حیثیت سے۔''

''کیا اس ترقی پسند دور میں بھی آپ لوگوں کو مجرموں کے لیے بھیس بدلنے کی ضرورت پیش آتی ہے؟''میجر نے پوچھا۔

''عام طور سے نہیں، لیکن یہ کوئی بہت منظم اور پر اسرار سلسلہ ہے جس کے لیے اگر ہم کھ کر سراغ رسانی کریں گے تو خاطر خواہ نتائج برآمد نہ ہو سکیں گے۔''خان نے کہا۔

''خیر، مجھ سے جو مدد ممکن ہے میں کروں گا۔''میجر نے وعدہ کیا۔

''آپ کو بس اسی قدر تکلیف دی جائے گی کہ آپ ہمیں لوگوں کی نظروں میں اجنبی نہ محسوس ہونے دیں۔''

''میں سمجھا نہیں؟''

Akram Allahabadi

''ڈاکٹر بخاری کی پراسرار موت سے معلوم ہوتا ہے کہ مجرموں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں اور وہ کافی احتیاط سے اپنے کام کرتے ہیں۔''

''آپ لوگ جیسا مناسب سمجھیں کیجیے۔ ظاہر ہے کہ میں کوئی پولیس آفیسر تو ہوں نہیں جو ان چیزوں کا تجربہ ہو۔ ویسے اپنی طرف سے پوری احتیاط رکھوں گا۔'' میجر نے وعدہ کیا۔ پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں نے آپ لوگوں کے لیے سرے والے دو کمرے مخصوص کرا دیے ہیں جن کی کھڑکیوں سے آپ سڑک تک کے ماحول کا جائزہ لے سکیں۔ آیئے اب ڈرائنگ روم میں بیٹھیں گے۔'' یہ کہتا ہوا وہ ایک دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ خان اور بالے بھی اس کے پیچھے تھے۔ میجر سعید سے خان کی بے تکلفی بالکل گھریلو قسم کی تھی، اس لیے وہ قطعی بے جھجک نظر آ رہا تھا۔ البتہ بالے اس وقت اس ماحول کے لیے نیا تھا۔ مگر اپنی عادت کے مطابق وہ جلد ہی میجر سے بے تکلف ہو گیا۔

''اسے ایک نیم پاگل فوجی افسر کا رول ادا کرنا ہے۔ اس سلسلے میں اگر ان سے کوئی گستاخی بھی ہو جائے تو خیال نہ کیجیے گا۔'' خان نے بالے کی طرف اشارہ کر کے میجر سے کہا۔

''اوہ، تم بے فکر رہو۔ اب جب یہ میرے فرضی بھتیجے بنے ہیں تو میں ان سے پورا پورا ایک چچا کا سلوک کروں گا۔ کیوں، بیٹے؟'' میجر نے بالے کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے پوچھا۔

''جائز فرمایا، چچا جان۔'' بالے کچھ اس انداز سے پلکیں جھپکا کر بولا کہ وہ دونوں ہنس پڑے۔

نوکر چائے لے آیا تھا جو میز پر رکھ دی گئی اور ابھی وہ پیالیاں منہ سے لگا ہی رہے تھے کہ اچانک کسی کے دوڑتے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اور پھر اندر کے

دروازے کا پردہ اٹھا کر کوئی اندر داخل ہوا اور پردے سے ہی الجھ کر فرش پر گر پڑا۔ بالے نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ ایک بارہ تیرہ سالہ خوب صورت سا لڑکا تھا۔ پھر اس کے کانوں میں نقرئی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ دروازے کے اس طرف سے باریک سا ایک قہقہہ گونج رہا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے کوئی پردہ ہٹا کر اندر آ پہنچا۔

''دیکھیے نا، ابا جان۔'' مگر اس سے زیادہ وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ خان اور بالے پر نظر پڑتے ہی آواز اس کے حلق میں اٹک گئی۔ وہ سترہ اٹھارہ برس کی ایک گورے رنگ کی خوب صورت لڑکی تھی۔ اس نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں گھما کر جب بالے کی طرف دیکھا تو بالے کا دل بلیوں سے اچھل کر حلق میں آ گیا۔

''آؤ بیٹی۔'' میجر نے نرمی سے اسے قریب بلایا۔ پھر وہ خان اور بالے کی طرف رخ کر کے بولا۔ ''یہ میری بھتیجی پروین ہے۔''

''اوہ... اتنی بڑی ہو گئی۔'' خان چونک کر مسکرایا۔ ''میں نے اسے تین سال پہلے جب دیکھا تھا تو چڈی پہنے گھوما کرتی تھی۔''

''بس، جتانے لگی اپنی رشتے داری۔'' بالے جلے ہوئے لہجے میں آہستہ سے بولا، مگر خان نے سن لیا۔

''گھبراؤ نہیں، وہ رشتے میں تمہاری بھی بہن نکلے گی۔'' خان نے دبے لہجے میں جواب دیا اور 'بہن' کے لفظ پر بالے کا منہ لٹک گیا۔ پروین اس شکل و لباس میں خان کو نہ پہچان سکی اور بالے کو تو وہ سرے سے جانتی بھی نہ تھی۔ وہ حیران حیران سی میجر سعید کی طرف دیکھنے لگی۔

''تم نہیں پہچانو گی انھیں، بیٹی۔'' میجر نے ہنس کر کہا۔ ''بہر حال، یہ میرے بھتیجے ہیں کپتان...''

''شریف۔'' بالے نے خود اپنا نام پیش کر دیا۔

''کپتان شریف نام ہے ان کا۔ برما میں میرے بڑے باپ کے بیٹے سر سکندر رہتے ہیں، ان کے ہی لڑکے ہیں، آج ہی آئے ہیں۔''میجر نے سنجیدہ لہجے میں تعارف کرا دیا۔

''مگر، چچا جان، پہلے تو آپ نے کبھی ان کا ذکر ہی نہیں کیا تھا؟''

''کوئی ایسی بات ہی نہیں نکلی، لیکن بہر حال دیکھو، ہمارے بھتیجے کو یہاں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے اور ہاں ان کے دو سفت ہیں اور ہمارے بھی۔ان کا نام لیفٹنٹ ...''میجر نے کہنا چاہا۔

''آپ کو لیفٹنٹ چیونگ گم کہتے ہیں۔''بالے بیچ میں بول اٹھا۔

''وہاٹ...؟''پروین نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

''گم سے پہلے اگر کوئی اضافت نہ لگائی جائے تو بڑا مختصر نام معلوم ہوتا ہے۔''

''ان کا نام لیفٹنٹ گم ہے۔''میجر نے پروین کو سمجھایا۔

''جی نہیں، چیونگ گم ہے۔''بالے اس سے بحث کرنے لگا۔خان مسکرا رہا تھا اور پروین میجر سعید اور بالے کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔

''اچھا، بابا، ہوگا۔''میجر نے گویا ہتھیار ڈال دیے۔

''یہ بابا نہیں ہو سکتے۔بابا آیا لوگ بچوں کو کہتی ہیں۔لیفٹنٹ کی عمر کچھ اوپر ۴۵ سال کی ہے۔''بالے نے خان کی عمر کا مخالفانہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔

''جی ہاں۔اور آپ کو تو میں نے گود میں کھلایا ہے۔''خان بھی ہنس کر بول پڑا۔

''اک دم غلط۔آپ میری والدہ بھی نہیں ہو سکتے۔''بالے بے جھجک بول اٹھا۔اس پر پروین کا قہقہہ چھوٹ گیا اور خان کا جی چاہا کہ بالے کی گردن دبا دے، لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ اس پروگرام میں پروین کو بھی شریک نہ کرنا چاہتے تھے، اس لیے اسے

بھی یہ دکھانا مقصود تھا کہ وہ کریک قسم کا آدمی ہے۔ عام طور پر عورتیں راز دار کم کر سکتی ہیں، اس لیے انھوں نے حقیقت کو صرف اپنے اور میجر تک ہی محدود رکھا۔ پروین بالے کو دل چسپ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ شاید اس کا اندازِ گفتگو اس کے لیے کسی فلم کے کامیڈین سے مماثلت رکھتا تھا۔

''چچا جان، مجھے اس وقت بھوک لگی ہے۔ میں ایک درجن چوہے کھاؤں گا۔''

بالے نے سنجیدہ لہجے میں خان سے بات کرتے کرتے میجر سعید کی طرف گھوم پڑا۔

''چوہے...؟'' پروین دہراتے ہوئے اور زور سے ہنس پڑی۔

''ارے ارے، یعنی کہ آپ کو کیا ہوا یہ۔ ذرا دیکھیے تو، چچا جان۔ ان کے سر پر کہیں الو تو سوار نہیں ہو گیا۔''

''ہائے، الو، صحرائے افریقہ کا منحوس ترین درندہ۔''

بالے بات بات کرتے کرتے الو کے بارے میں سوچنے لگ گیا اور پروین اپنی ہنسی روک کر عجیب نظروں سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''میں بہت بری طرح بھوکا ہوں، چچا جان۔ آپ اگر ایک درجن چوہے مجھے فراہم نہ کریں گے تو میں اسی مکان کی سب سے اونچی چھت سے کود کر خودکشی کر لوں گا۔''

بالے نے رونی سی صورت بنا کر کہا۔

پروین اسی پر خان کی طرف پھر منجر کی طرف دیکھنے لگی، مگر میجر نے اسے اشارہ کر دیا کہ، 'بھتیجے کے چند اسکروڈھیلے ہیں'۔'' اور وہ مسکرا دی۔

''یہ کم بخت مرغی کے چوزے کو چوہا کہتا ہے۔'' خان نے آہستہ سے پروین سے کہا۔

''اوہ...، تو شاید بری زبان 'ز' کا لفظ نہ ہوتا ہوگا۔'' وہ اس کی وجہ تسمیہ سوچ کر بولی۔ اتنے میں میجر کا لڑکا الطاف، جو پردے سے الجھ کر گرنے کے بعد بھاگ گیا

تھا، آ پہنچا۔اس کے ہاتھ میں ایک نقلی امریکن پستول تھا، جس کا رخ وہ پروینکی طرف کیے ہوئے تھا۔

''یہ میرا لڑکا ہے، الطاف۔''میجر نے دور ہی سے اس کی طرف اشارہ کر کے تعارف کرایا۔

''یہاں آؤ، بیٹھے۔'' خان نے اسے آواز دی۔اور وہ شرمایا ہوا سا قریب آ گیا۔خان نے اس کی پیٹھ پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کا نام وغیرہ اسی سے پوچھا اور پھر اس کا پستول ہاتھ میں لے کر کھیلنے لگا۔

''آپ کے یہاں بچے بھی اس توپ میں کھیلتے ہیں۔''بالے نے صوفے کے دوسرے کنارے پر کھسکتے ہوئے خوف زدہ سی آواز میں کہا۔

''یقیناً۔ایک فوجی افسر کے بچے بھی فوجی ذہنیت رکھتے ہیں۔''میجر کسی قدر سینہ پھلا کر فخریہ لہجے میں بولا۔

''یہ تمہارے چچیرے بھائی ہیں، برما سے آئے ہیں، جاؤ ان سے ملو۔'' خان نے الفاظ کو بالے کی طرف بھیا۔پروین اب تک منہ چھپائے مسکرا رہی تھی۔وہ نرم و نازک مگر شوخ و شنگ لڑکی تھی۔اسے ہر وقت ہنستے رہنے کی عادت تھی۔مگر جب الطاف اپنے ہاتھ میں پستول لیے بالی کی طرف بڑھا تو بالے نے پیر اوپر اٹھا لیے اور صوفے پر سکڑ کر بیٹ گیا۔

''دور دور..دور رہیے صاحب زادے، مجھے آپ کی توپ سے ڈر لگتا ہے۔ آپ دور رہیے۔''

''یہ توپ نہیں، بھائی صاحب، پستول ہے۔''یہ کہہ کر اس نے چھت کی طرف پستول کا رخ کر کے اس کا گھوڑا دبا دیا۔پستول کا پٹاخہ دھماکے سے کمرے میں گونج اٹھا اور بالے نے دونوں انگلیاں کانوں پر رکھ لیں۔وہ چند سیکنڈ ساکت بیٹھا رہا۔پھر اک دم

اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا۔

''جنگ... جنگ...'' وہ کمرے میں ناچتے ہوئے چیخنے لگا۔''فائر... فائر... کرنل نکولس، میں نپولین اعظم تمہیں حکم دیتا ہوں، تم چوتھے بریگیڈ کو لے کر دشمن کی پشت پر چھاپہ مارو۔''

''میں... میں اس کی ناک پر گولیاں برساتا ہوں۔'' اور پھر بالے نے کمرے میں پیگ سٹ پر ٹنگی ہوئی میجر کی چھڑی اٹھالی اور فرش پر اوندھا لیٹ گیا۔''ہاہاہا... میں اسپینیوں کی چٹنی بنا دوں گا۔''

''یہ سب کیا ہو رہا ہے آخر۔'' میجر نے اٹھنا چاہا، مگر خان نے اسے روک دیا۔

''ان پر اسی قسم کے پاگل پن کے دورے پڑا کرتے ہیں، خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔'' وہ بولا۔ پروین اور الطاف اس وقت بڑی توجہ اور دل چسپی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے اپنے منی بند کر کے بجز ہنسی روک رکھی تھی۔

بالے نے فرش پر لیٹ کر چھڑی کو بندوق کی طرح تھامتے ہوئے نشانہ باندھ کر منہ سے دھائیں... دھائیں... کی آوازیں نکالنی شروع کر دی۔ پھر وہ زمین سے اٹھ کر کچھ دور دوڑا اور پھر زمین پر گر کر فائرنگ کرنے لگا۔ اس کے کچھ دیر بعد جب وہ اٹھا تو خود ہی دھائیں کی آواز نکال کر وہیں سینہ پکڑ کر گر پڑا۔ اب وہ اس طرح پڑا تھا جیسے کوئی بندوق کی گولی سینے پر کھا کر شہید ہو گیا ہو۔

''بھائی صاحب، اٹھیے، بھائی صاحب۔'' الطاف نے دوڑ کر بالے کو جھنجوڑا۔

''ہمیں مت چھیڑو، ہم مر چکے ہیں۔ دشمن نے ہمیں گولی مار دی ہے۔'' بالے نے اوندھے پڑے پڑے کہا۔ اور ایک بار پھر پروین کی ہنسی چھوٹ گئی۔ جسے سنتے ہی بالے بجلی جیسی تیزی سے اٹھ بیٹھا۔

Akram Allahabadi

''ارے واہ، یعنی ہمارا انتقال ہوگیا اور آپ ہنس رہی ہیں، چہ خوب۔ لوگ ایسے موقعوں پر رو رو کر دریائے جمنا و گنگا بہا دیا کرتے ہیں۔'' وہ شکایتی لہجے میں بولا۔

پھر ایک لمبی سانس کھینچ کر چھت کو گھورتے ہوئے وہ بھونڈی سی آواز میں گانے لگا۔ ''یہ دنیا بڑی بے وفا بے وفا ہے، کوئی مر گیا ہے کوئی ہنس رہا ہے۔ یا اللہ سب متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے، آمین۔'' گاتے گاتے وہ فاتحہ خوانی پر اتر آیا۔ اور پروین اور الطاف کا ہنستے ہنستے برا حال ہوگیا۔ خود میجر بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکا، لیکن خان سنجیدہ تھا۔

''ابھی اس طرح ان کا دماغ ٹھکانے نہ آئے گا۔ ایسے موقعوں پر ان کے سر پر گرمی چڑھ جایا کرتی اور اس کا علاج یہ ہے کہ ان کے سر پر چمڑے کے جوتے بھگو بھگو کر مارے جائیں۔'' خان نے کہا۔

''جوتے...؟'' پروین نے حیرت سے کہا۔

''ہاں ہاں، بعض مرض ایسے ہی ہوتے ہیں، بیٹی۔'' میجر بھی بول اٹھا۔ ''مثلاً مرگی وغیرہ بھی۔ اس میں جوتا صرف بھگو کر سنگھایا جاتا ہے۔''

''ہائیں۔'' بالے نے آنکھیں پھاڑ کر میجر کی طرف دیکھا اور پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔

''اب جب ہوش آئے گا تو دماغی حالت پہلے سے بہتر ہوگی۔'' خان نے پروین کو سمجھایا۔

''برما سے ایک بھائی تو وہ بھی پاگل۔'' الطاف نے برا سا منی بنا کر کہا۔

''ان کا علاج کرانے ہی تو لائے ہیں انھیں، بیٹے۔ یہ یہاں جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔'' خان نے اسے تسلی دی۔

''لیکن ایسا ہوا کیسے، انکل؟'' پروین نے اپنے چچا سے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''اوہ، بہت معمولی سی بات۔ایک رات انھوں نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے اندر فرانس کے فاتح اعظم نپولین کی روح سرایت کر گئی ہے۔''خان مسکرایا۔

''نپولین کی،اوہاہاہا...''میجر کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# لکی اسٹار

شام کے وقت وہ تینوں لکی اسٹار میں بیٹھے ہوئے تھے۔لکی اسٹار لال گودام کا شان دار ہوٹل ہوتے ہوئے بھی ایک بدنام جوئے خانہ تھا۔اپنے بیرونی حصوں میں یہ جتنا ستھرا اور شریفانہ ماحول پیش کرتا تھا، اندر سے اتنی ہی گندی اور غیر اخلاقی حیثیت رکھتا تھا۔اس ہوٹل کے بارے میں یہ روایت عام طور پر مشہور تھی کہ یہاں سب کچھ ملتا ہے،لیکن اس علاقے کی پولیس اب تک یہاں کچھ بھی برآمد نہ کر سکی تھی۔ویسے کیوں کہ یہ لال گودام کے مہذب بدمعاشوں کی بستی کے قریب واقع تھا،اس لیے بھی یہاں زیادہ مہذب قسم کے لوگ نہ جاتے تھے،البتہ ایسے شان دار لوگ ضرور اس کے چکر کاٹتے جو اوپر سے اجلے اور صاحب حیثیت ہوتے،مگر باطن میں کالے اور بدکردار۔

اس کا سامنے کا حصہ ایک کافی اونچی چھت اور اس کا بوجھ سنبھالنے والے بڑے بڑے سپاٹ سفید کھمبوں پر مشتمل تھا۔

''یہ عام لوگوں کی تفریح گاہ تھی جس میں کوکا کولا کی بوتلوں سے لے کر غیر قانونی شراب کی بوتلیں تک چوری چھپے مل جاتیں۔یہیں لال سنج کے وہ اوسط طبقے کے لوگ بھی جمع ہو جاتے جن کی آمدنی ان کے اخراجت سے کچھ زیادہ تھی،مگر وہ شاید اس کے پچھلے حصوں کے متعلق کوئی علم نہ رکھتے تھے۔ان کی تفریح اکل وشرب اور زیادہ سے زیادہ ہوٹل میں آنے والی کرسچین اور ترقی یافتہ سماج کی آزادی پسند نوجوان لڑکیوں کی گوری سڈول پنڈلیوں اور سرخ و سیاہ سینڈلوں سے جھنکنے والے ان کے خوب صورت پیروں کو حریص نظروں سے تاکنے تک محدود رہتی۔اس گناہ بے لذت کو اس ہوٹل کی خاص تفریح سمجھا جاتا تھا اور سماج کی اس ذہنی گدندگی کو یہ اکھاڑہ ایسے شوقینوں کے مل پر

خوب ٹھاٹ سے چلتا تھا۔ کچھ تعیش پسند شاعر بھی کبھی کبھی یہاں اڈا جما لیتے اور بالخصوص ایسی میزوں کے قریب بیٹھ کر جن پر ایک آدھ جوان اور خوب صورت لڑکی بیٹھ کر کچھ کھا پی رہی ہو، وہ اپنے ہم نشینوں کو گل و بلبل کی محبت کے انے قصیدے سنا ڈالتے کہ یا تو سننے والے اکتا کر کسی دوسری میز پر جگہ ڈھونڈھنے لگتی یا پھر ان کی بے رخی سے اکتا کر گل و بلبل کے ترجمان خود اپنی گاڑی بڑھا دیتے۔ بہر صورت شام کے ۶۔۷ بجے سے رات کو گیارہ بجے تک اس ہوٹل میں خاصہ ہنگامہ رہتا۔

آج کے دن اس ہنگامے میں میجر سعید اور ان کے دونوں مہمان، کپتان شریف اور لیفٹننٹ نعیم بھی شریک تھے اور کاؤنٹر والا موٹا سا سفید سوٹ والا منیجر انھیں عجیب سی نظروں سے گھور رہا تھا۔ میجر کی آمد غیر متوقع نہ تھی، کیوں کہ کبھی کبھی اپنی گھریلو زندگی کے ڈل ماحول سے اکتا کر وہ لکی اسٹار کی طرف نکل آتے تھے، مگر آج ان کے ساتھ دو فوجی آدمی اور تھے اور شاید لکی اسٹار والے فوجی آدمیوں اور پولیس والوں کو قطعی غیر پسندیدہ عناصر سمجھتے تھے، اسی وجہ سے ایسے لوگوں کی طرف زیادہ توجہ بھی نہ دی جاتی۔ کاؤنٹر منیجر خاص طور پر اس فوجی کپتان پر نظریں جمائے تھا جو دیر سے بندروں جیسی حرکتیں کر رہا تھا اور اب تک دو بیرے آ کر منیجر سے اس کپتان کے درشت رویے کے بارے میں شکایت کر چکے تھے۔ وہ شاید میجر جنرل سعید کی وجہ سے اب تک خاموش تھا۔ فوجی کپتان اس وقت بھی ایک تیسرے موٹے ویٹر سے الجھ رہا تھا۔ پھر جب ویٹر بُرا سا منہ بنا کر کاؤنٹر کے قریب آیا تو منیجر خود ہی اس سے پوچھ بیٹھا۔

''کیا بات تھی؟''

''سالا سنکی ہے، صاحب۔ ایک دم پاگل، بولتا ہے دس چوہے لاؤ کھانے کے لیے۔''

''چوہے...؟'' کاؤنٹر منیجر ن حیرت سے چونک کر کہا۔

''ہاں، صاحب۔اور بولتا ہے مینو میں الو کا اچار نہیں ہے۔''

''الو کا اچار؟'' میجر نے دہرایا۔''ہے کون وہ؟''

''میجر صاحب کا بھتیجا ہے۔اس کو چچا جان، چچا جان بولتا ہے۔'' ویٹر نے بتایا۔

اتنے میں میجر سعید والی میز فوجی کپتان کے گھونسے کی آواز سے گونجی اور لوگ چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔وہ حلق پھاڑ کر چیخ رہا تھا۔

''ویٹر...وے...ٹر....تم کدھر مر گیا...، سالا۔وے...ٹر۔'' اس کی آواز سن کر ایک دوسرا ویٹر دوڑ کر میز کے قریب آ گیا۔

''اٹینشن۔'' کپتان نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔اور وہ گھبرا کر اٹینشن ہو گیا۔

''ہم کو کان مروڑ پیڑا اس کی چینی مانگتا ہے۔ہمارے پیٹ میں کتے بھونک رہے ہیں۔'' کپتان نے بڑی سنجیدگی سے ویٹر کو حکم دیا۔جس پر آس پاس کی میزوں والے ہنس پڑے۔

''کیپٹن۔'' میجر نے شریف کو گھورا۔

''آپ چپ رہیے، چچا جان۔یہ ہمارے پیٹ کا معاملہ ہے۔ہم اعلانِ جنگ کر دیں گے۔'' کپتان نے اسے ٹیڑھا سا جواب دیا۔اور پھر ویٹر کی طرف مخاطب ہو گیا۔

''صاحب، اس نام کی تو کوئی چیز نہیں ہے۔''

''کیوں نہیں ہے؟ یہ ہوٹل ہے یا بھٹیار خانہ؟''

''کپتان صاحب، ہمیں افسوس ہے کہ آپ نے جو چیز طلب کی ہے وہ ختم ہو چکی ہے۔'' کاؤنٹر منیجر اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے نزدیک آتے ہوئے نرم لہجے میں

Akram Allahabadi

بولا۔

''چہ خوش بھوکا میں ہوں اور افسوس آپ کو ہو رہا ہے۔'' کپتان نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ جس پر کچھ لوگ اور ہنس پڑے۔ منیجر کے چہرے پر درشتی کے آثار پیدا ہو گئے۔

''میجر صاحب، ہم صرف آپ کا لحاظ کر رہے ہیں۔'' کاؤنٹر منیجر میجر سعید کے پاس آ کر بولا۔

''کیا کہا آپ نے؟ یہ میرا لحاف کر رہے ہیں؟'' کپتان اب منیجر کی طرف گھوم پڑا۔ جس پر میجر سعید نے انگلی کے اشارے سے کاؤنٹر منیجر کو بتا دیا کہ کپتان کا دماغ چل ا ہوا ہے۔ منیجر تذبذب میں پڑ گیا۔

''چچا جان، یہ کون نالائق ہے۔'' وہ کپتان میجر سے پوچھنے لگا۔

''میجر صاحب، آپ انھیں یہاں سے لے جایے۔'' کاؤنٹر منیجر بولا۔

''ہم دودھ پیتے بچے نہیں ہیں جو چچا جان ہمیں گود میں لے جائیں گے۔ ہم نہیں جاتے، جاؤ۔''

وہ ابھی یہ کہہ ہی رہا تھا کہ کسی ویٹر کے ہاتھ سے ٹرے چھوٹ گئی۔ شاید لیفٹننٹ دھکا لگ گیا تھا اسے۔ ٹرے کے گرنے کی آواز کے ساتھ کپتان پر سکتہ طاری ہو گیا۔ دوسری میزوں کے لوگ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر انھیں دیکھنے لگے تھے۔ وہ اس عجیب کیرکٹر میں کافی دل چسپی لے رہے تھے، لیکن دیکھتے ہی دیکھتے کپتا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

''نپولین کے حضور میں کس بدتمیزی سے کھڑے ہو تم لوگ۔'' وہ گرج کر بولا۔ اور سب ہنس پڑے۔

''ارے واہ، میں تم سب کو شوٹ کر دوں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے میجر سعید کی چھڑی چھین لی اور اس کو بندق کی طرح تھام کر چاروں طرف اس کا رخ کر کے منی سی دھائیں دھائیں کی آوازیں نکالن لگا۔ ہوٹل میں موجود لوگوں کا ہنسی کے مارے برا حال

تھا اور بالے یہ یہ ادا کری قابلِ تعریف تھی۔اس کے ماتھے پر بل نہیں پڑ رہا تھا۔وہ یہ تمام حرکتیں اتنی سنجیدگی سے کر رہا تھا کہ کسی کو اس پر تصنّع کا وہم وگمان بھی نہ ہوتا۔لوگ اسے واقعی پاگل سمجھ کر ہنس رہے تھے۔پھر وہ میزیں کرسیاں الٹنے لگا۔یہ بات میجر کے قابو سے باہر ہوگئی۔وہ غصے میں گھونسا تان کر آگے بڑھا لیکن اس وقت میجر سعید سامنے آگیا۔

''میں بندوق کی گولی سے بات کیا کرتا ہوں، مسٹر۔خبردار جو میرے بھتیجے پر ہاتھ اٹھایا۔''میجر نے اسے متنبہ کیا۔

''لیکن یہ نقصان جو ہو رہا ہے؟''میجر نے خشک لہجے میں پوچھا۔

''اس پر پاگل پن کا دورہ پڑا ہے، کیا دیکھتے نہیں۔''

''تو اب انھیں یہاں سے لے جایے۔''

''اور نہیں تو کیا وہ سسرال سمجھ کر یہاں ٹھہرے گا۔''میجر نے جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔اور منیجر بڑے ضبط سے کام لے کر رہ گیا۔

لوگ دونوں طرف سے آکر جمع ہو گئے تھے۔خان بظاہر بالے کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن اس کی نظریں ہال میں موجود ایک ایک چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔پھر اس نے بالے کو بازو سے دبا کر کچھ اشارہ کیا اور اب اس کا ہاتھ چھوڑ کر سامنے آتے ہوئے ادب سے بولا۔

''نپولین اعظم، یہ لوگ آپ کے استقبال کو جمع ہوئے ہیں۔اب آپ تشریف لے چلیے۔''

''کیا ہماری فتح کا جشن منایا جا رہا ہے۔''

''جی ہاں۔''

اتنا کہنے پر بالے فوجی پریڈ کے انداز میں چلتا ہوا ہوٹل کے بڑے دروازے سے باہر نکل گیا۔خان اور میجر سعید اس کے پیچھے تھے۔انھوں نے اسے باہر کھڑی ہوئی

میجر کی کار میں بٹھایا اور جب تک ان کی کار اسٹارٹ نہ ہوگئی، ہوٹل کے دروازے پر لوگوں کا ہجوم موجود رہا۔ وہ اس تماشے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

اور تو جو کچھ ہے اس کی آڑ میں آپ کی کوئی مصلحت ہوگی۔ لیکن یہ نپولین کی روح والا فلسفہ میری سمجھ میں نہیں آیا۔'' میجر سعید کے بنگلے پر بالے نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے خان سے پوچھا۔

''وقت آنے پر یہ بھی سمجھ لوگے۔ میں فضولیات پسند نہیں ہوں۔''

''وہ تو میں جانتا ہوں کہ قدرت نے آپ کو ایک الّو کا پٹھا اسسٹنٹ ایسا عطا کیا ہے جسے آپ تختۂ مشق بنائے رہتے ہیں، مگر اس مضحکہ خیز رول کو ادا کرتے کم از کم مجھے اس کی غرض تو معلوم ہونی چاہیے۔''

''بہت جلد جان جاؤ گے۔'' عورتوں کی طرح پیٹ میں پانی کیوں نہیں پچتا تمہارے۔''

''ہائے یہ بھونڈی تشبیہ۔''

''اب اگر میرا یہ تجربہ کامیاب رہا ہے تو یا تو بہت جلد تم پر کوئی حملہ کیا جائے گا ...''

''اور آپ میرا فاتحہ پڑھتے نظر آئیں گے۔'' بالے نے بات کاٹ دی۔

''خیر یہ نیک کام تو دوسرے بھی کر سکتے ہیں۔ ہاں تو اب تم ذرا محتاط رہنا۔ دو ہی صورتیں ممکن ہیں یا تو تم پر حملہ ہو یا تمہارے پاس کسی پراسرار ہستی کا کوئی پیغام آئے۔''

اگر وہ ہستی جنسِ لطیف سے تعلق رکھتی ہے تو میں آنکھیں بند کر کے اس کا پیغام بلی اسے بھی اپنی زوجیت میں قبول کرتا ہوں۔''

''تم جیسے بہت سے کھلونے اس کی جیبوں میں پڑے ہوں گے۔ بشرطیکہ میرا شبہ درست ثابت ہوا ور وہ وہی نکلے۔''

''آج آپ معمے بنا رہے ہیں۔''

''صرف تمہارے لیے ہی نہیں بلکہ خود میرے لیے بھی یہ ایک معمہ ہی ہے۔ تا وقتیکہ میں اپنے شبے کی تصدیق نہ کرلوں۔ اگر یہ وہی ہے تو ہمارا مقابلہ ایک انتہائی خطرناک آدمی سے ہے۔''

''صرف ایک آدمی؟''

''ہاں، مگر اس کے ذرائع غیر محدود ہوتے ہیں۔''

''مگر یہ 'وہ' ہے کیا بلا؟''

''تصدیق کے بعد بتاؤں گا۔''

''تو مجھے کیا اس کا انتظار کرنا پڑے گا؟''

''میں نے یہ فضول سا ڈرامہ صرف اسی امید پر کھیلا ہے۔''

''پروین بھی مجھے پاگل سمجھ کر میرا مذاق اڑا رہی ہے۔''

''خیر وہ تو بے جا نہیں سمجھ رہی، تمہارا اصل چوکھٹا دیکھ کر وہ تمہیں اور پاگل سمجھتی۔''

''یہ آپ میرے جذبۂ عشق کی توہین کر رہے ہیں۔''

''بیٹے، یہاں اگر عشق وشق کی باتیں کیں تو بہت مار کھاؤ گے۔ میجر سعید اس معاملے میں بڑا جلاد آدمی ہے۔''

''مجھے وہ شعر یاد ہے، چڑھا منصور سولی پر پکارا مرغ بازوں کو۔''

''بند کرو یہ بکواس، شاید کوئی آ رہا ہے۔'' خان نے کہا اور بالے چپ ہو گیا۔

'آنے والا' پروین تھی، جو نوکر کے اس وقت موجود نہ ہونے پر ان کے لیے

خود چائے لائی تھی۔

''لیجیے، کپتان صاحب، چائے حاضر ہے۔'' وہ بالے کو دیکھ کر مسکراتی ہوئی بولی۔

''لیفٹننٹ، چائے بناؤ ہمارے لیے۔'' بالے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خان پر حکم چلانے لگا۔

''اوہ، بہت اچھا، کپتان صاحب۔'' خان نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

''مس پروین، آپ کیا پئیں گے، چائے یا وائے؟'' بالے نے آنکھیں جھپکا کر پروین سے پوچھا۔ وہ اس کے چہرے کو تکتی ہوئی اب تک مسکرا رہی تھی۔ نہ جانے کیوں بالے کی شکل دیکھتے ہی اب اسے ہنسی چھوٹنے لگتی تھی۔ وہ بجائے جواب دینے کے ہنس پڑی۔

''آپ ضرور مجھے کسی چڑیا گھر کا نیا جانور سمجھتی ہیں۔'' یہ کہہ کر بالے نے منہ لٹکا لیا۔

''ارے ارے، یہ آپ کیا سمجھ بیٹھے، میں تو آپ کو نپولین اعظم سمجھتی ہوں۔'' پروین نے سنجیدہ ہونے کی کوشش کی۔

''آپ مجھے پورا پورا نپولین بوناپاٹ، آئی ایم ساری، نپلوین...'' بالے نے کہنا چاہا، مگر اس کے الفاظ پروین کے قہقہوں میں دب گئے۔

''بھائی صاحب۔'' بالے کو آواز دیتا ہوا میجر سعید کا لڑکا الطاف بھی آ پہنچا۔

''آیے آیے، بس آپ ہی کی کسر تھی اس عجائب خانے میں۔'' بالے اسے بھی شریکِ محفل کر لیا۔

''آپ کی چائے۔'' خان نے تیار کی ہوئی پیالی بالے کی طرف بڑھا دی۔

Akram Allahabadi

اوہ، تھینک یو، لیفٹننٹ۔'' یہ کہہ کر بالے نے پیالی جیسے ہی ہونٹوں سے لگائی، پہلے ہی گھونٹ نے اس کا سرا منہ نمکین کر دیا۔ ''میں اپنا شکریہ واپس لیتا ہوں، لیفٹننٹ۔ آپ نے چائے میں شکر زیادہ ملا دی ہے۔''

الطاف قریب آ کر بولا۔ ''بھائی صاحب، باجی کہہ رہی تھیں ... کیوں کہہ دوں، باجی؟'' الفاظ نے شریر نظروں سے پروین کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ اسے گھورنے لگی۔

''ہاں ہاں، ضرور کہہ دو، تمہیں ہماری اونچی ناک کی قسم۔'' بالے نے الطاف کی پیٹھ ٹھونکی۔

''یہ کہہ رہی تھیں... یہ کہہ رہی تھیں کہ...''

''اف فوہ... اب گاڑی آگے بھی تو بڑھاؤ۔''

''کہہ رہی تھیں کہ کپتان بھیّا پورے خچو ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے الفاظ بھاگ اٹھا۔

''ہائیں، خچو...؟'' بالے نے حیرت سے پروین کو دیکھا۔ وہ الطاف کو غصیلی نظروں سے جاتے دیکھ رہی تھی۔ ''یہ کیا بات ہوئی بھلا۔'' وہ منہ پھیر کر بولا۔

''خچو فارسی میں اونچی ذات کے الّو کو کہتے کہیں۔'' خان نے لقمہ دیا۔

''ہمیں مت پڑھایئے، مسٹر لیفٹننٹ۔ ہم نے فارسی پڑھی اور تیل بیچا ہے۔ فارسی میں ایسا کوئی خوبصورت لفظ نہیں ہے۔''

''دراصل لیفٹننٹ صاحب آپ کو بنا رہے۔ اس لفظ کے معنی شان دار انسان کے ہوتے ہیں۔'' پروین جلدی سے بول پڑی۔

''یہ بات ہوئی کچھ۔ لیفٹننٹ صاحب، آپ نے ہمیں بدھو سمجھ رکھا ہے کیا؟''

''کیا بحث چھڑ گئی ہے، بھائی؟'' میجر بھی یہ کہتا ہوا آ پہنچا۔

Akram Allahabadi

''کچھ نہیں کچھ نہیں، ہم لوگ دراصل زبانِ فارسی پر ریسرچ کر رہے تھے۔''
بالے بولا۔مگر میجر نے کوء جواب دینے کی بجائے خان کے کان میں کچھ چپکے سے کہا اور وہ دونوں اٹھ کر چلے گئے۔

''مس پروین، کاش میں پاگل نہ ہوتا تو...'' بالے نے پروین سے گفتگو چھیڑ دی۔اب وہ دونوں اکیلے تھے۔

''تو...؟'' پروین نے دل چسپ انداز میں پوچھا۔

''تو میں ایک لڑکی سے فوراً عشق کر ڈالتا۔''

''کون ہے وہ بدنصیب؟'' پروین نے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں پر ٹھوڑی رکھ کر پوچھا۔

''بدنصیب کیوں؟'' بالے نے جھلائے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

''اس لیے کہ وہ اب تک آپ کے عشق سے محروم رہی ہوگی۔'' پروین نے مسکرا کر بات بنا دی۔

''اوہ، تب تو دال نہیں گلے گی۔'' بالے نے یہ کہہ کر منہ لٹکا لیا۔

خان دو منٹ بعد ہی لوٹ آیا۔

''میرا اندازہ صحیح معلوم ہو رہا ہے۔باہر ایک آدمی دیر سے اس بنگلے کی نگرانی کر رہا ہے۔'' خان نے آتے ہی بالے سے کہا۔

''بات کیا ہے، لیفٹنٹ صاحب۔آپ اور چچا جان کچھ چونکے چونکے سے ہیں؟'' پروین نے خان سے پوچھا۔

''تم نہ سمجھ سکو گی ان باتوں کو۔'' خان نے یہ کہہ کر اسے ٹال دیا اور بالے کو ساتھ لے کر برآمدے میں نکل آیا اور بنگلے کے احاطے کے باہر ایک سائکل کی دکان کے پاس ایک آدمی کھڑا چور نظروں سے اسی بنگلے کی طرف دیکھ رہا تھا۔وہ شکل وصورت سے

Akram Allahabadi

کوئی اچھا آدمی نہ معلوم ہوتا تھا، لیکن کپڑے اس نے ڈھنگ کے پہن رکھے تھے۔

''کیا آپ اب بھی نہ بتائیں مجھے کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے؟'' بالے نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''بس اتنا ہی سمجھ لو کہ یہ تمہارا فاجی پاگل پن اور نپولین کا نام کام آ گیا ہے۔ اب شاید ہم اپنی منزل سے زیادہ قریب ہو جائیں گے۔''

''میجر کی صاحب زادی بڑی شدت کے ساتھ میرا مذاق اڑا رہی ہے۔ اگر آپ یہ ڈرامہ جلدی ختم نہ کریں گے تو خواہ مخواہ مجھے اس سے عشق ہو جائے گا جس کی ذمے داری آپ پر ہو گی۔''

''میں تمہیں پاگل خانے پہنچوا دوں گا۔''

''کم از کم وہاں اس شدت سے بور تو نہ ہونا پڑے گا۔''

''خیر چلو، اندر چل کر باتیں کریں گے۔ مگر اب گردوپیش سے زیادہ ہوشیار رہنا۔''

''کیا آپ مجھے گردپوش پہنانے والے ہیں؟''

''گردوپیش کہا ہے میں نے، ڈیوٹ۔''

آپ اردو میں فرمایا کیجیے، فارسی فقط میرے دادا مرحوم نے پڑھی تھی۔''

یہ گفتگو کرتے ہوئے وہ جب کمرے میں داخل ہوئے تو ناھوں نے دیکھا پروین کھڑی بالے کو عجیب نظروں سے گھور رہی تھی، اس کی وہ شوخی اس وقت ہوا ہو چکی تھی۔ معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ان کی گفتگو چھپ کر سن چکی ہے۔ پھر پلٹ کر چلی گئی اور خان اور بالے ایک دوسرے کو دیکھ کر خاموش رہ گئے۔

☆☆☆☆☆☆

# رات کا ہنگامہ

اس رات خان نے بھی اپنا بستر اسی کیمرے میں لگوا دیا، جس میں بالے کے سونے کا انتظام کیا گیا تھا۔ میجر ایک بار انھیں شب بخیر کہنے آیا، پھر اپنے کمرے میں جا کر سو گیا۔ گقریباً گیارہ ساڑھے گیارہ بجے خان کی آنکھ بھی جھپکنے لگی۔ بالے کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ چھت کا پنکھا خان نے بند کرا دیا تھا اس وجہ سے گرمی بھی لگ رہی تھی۔ اسے کم از کم اس ناانصافی پر تاؤ ضرور آیا، لیکن قہرِ درویش بہ جانِ درویش والا معاملہ تھا۔ اس لیے اس نے پنکھا دوبارہ کھولنے کی بجائے آہستہ آہستہ کراہنا شروع کر دیا۔ اور جب خان نے اس پر بھی توجہ نہ دی تو اور زور سے کراہنے لگا۔

''کیا بے ہودگی ہے یہ؟ نہ سوؤ گے نہ سونے دو گے۔''

''ہائے درد۔'' بالے نے معصوم سی شکل بنا کر تکلیف زدہ آواز میں کہا۔

''میں جانتا ہوں تمہاری مکاری۔''

''قسم ہے ایک ہزار حسین دوشیزاؤں کی، یہ سو فیصدی دردِ جگر ہے۔''

''اکو، میں ابھی تمہاری ساری چولیں ڈھیلی کر دوں گا۔''

''وہ تو پہلے ہی ڈھیلی ہو رہی ہیں۔ ہائے دردِ جگر۔''

''آخر کیا بدتمیزی ہے یہ؟'' خان جھنجلا کر اٹھ بیٹھا۔

''وہ جو کہا ہے کسی نے ...نہیں شاید چچا غالبؔ نے کہا ہے کہ دردِ جگر ذرا... کروٹ تو بدلنے دے... ہائے میں کیا کروں ...اے گمِ دل کیا کروں ...اے وحشتِ ...''

''چچا غالب فلمی گانے نہیں لکھتے تھے، سور۔'' خان ہنس پڑا۔

''اک دم غلط، منروا موڈی کے سہراب مو ویٹون... آئی ایم ساری، منروا مو ویٹون کے سہراب مو ویٹون...اوہو...کیا ثقیل نام ہے۔''

''سہراب مودی۔''

''جی ہاں، وہی صاحب گواہ ہیں کہ چچا غالب نے فلمی گانے لکھے ہیں اور خوب لکھے ہیں۔آپ نے شاید فلم 'مرزا غالب' نہیں دیکھی۔''

''اچھا اب بکواس بند رکھو، مجھے نیند آرہی ہے۔''

''چچا غالب نے یہ بھی لکھا ہے کہ نیند کیوں رات بھر نہیں آتی...غالباً غالب صاحب کو انسومنیا ہو گیا ہوگا۔''

''میں تمہیں کمرے سے باہر نکال دوں گا۔''

''نکل جاؤں گا مگر بھینٹ چڑھ جاؤں اس چچا غالب کے۔ظالم نے کیا شعر وغیرہ لکھے ہیں۔''

''ملاحظہ ہو، لے آئیں گے بازار سے جا کر دل وجاں اور...کوئی خاک سمجھے گا۔''

''بکو...کم بخت...، پہلے جی بھر کے بک لو۔'' خان غصّے میں بھر کر اٹھ بیٹھا۔

''میں بک نہیں رہا، آپ ہی بتایے، دل تو خیر کسی سلاٹر ہاؤس میں مل سکتا ہے اور وہ بھی کسی بکرے یا بودے کا، مگر یہ ضان کون سے چور بازاری میں ملتی ہے۔''

''ختم ہوئی تمہاری تنقید۔'' خان پلنگ سے اٹھ کر اسے گھورنے لگا۔

''مجھے نیند نہیں آرہی ہے۔'' بالے نے معصوم سی صورت بنا کر کہا۔

''تو زبان بند رکھو۔''

''بہتر ہے۔'' یہ کہہ کر بالے پھر لیٹ گیا، لیکن چند لمحوں بعد ہی اس کے فرضی قراٹوں نے خان کی نیند حرام کر دی۔

Akram Allahabadi

''تم یوں نہ مانو گے۔'' وہ بگڑ کر اٹھ بیٹھا۔

''آپ نے ہی تو کہا تھا کہ شاید مجھ پر حملہ ہو کسی، پھر سو جاؤں تو وہ گردن صاف نہ کر دے گا۔''

''جان کیوں نکل رہی ہے ڈر کے مارے، شاید ہماری خواب گاہ میں گھسنے کو وہ تھوڑا بھی نہ کریں گے۔''

''آپ تو اس طرح فرما رہے ہیں جیسے آپ نے مراقبے میں سب کچھ پہلے سے دیکھ لیا ہو۔''

''حملہ صرف اس وقت ہو گا جب میرے شبے کے مطابق ہمارا مقابلہ اسی سے ہو اور ایسی صورت میں وہ ہمیں یقیناً غافل نہ سمجھے گا۔ ہماری اس وقت کی خموشی ہی بہتر ہے۔''

خان کی باتیں اس وقت بھی بالے کی سمجھ میں نہ آئیں، لیکن وہ چپ ہو کر اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ خان تھوڑی دیر میں ہی سویا ہوا معلوم ہونے لگا۔

رات ابھی نصف سے کچھ زیادہ ہی گزری ہو گی کہ ایک دھماکے کی آواز سن کر خان چونک پڑا۔ اس کی نظر سب سے پہلے بالے کے بستر پر گئی۔ مگر وہ خالی پڑا تھا۔

خان بجلی کی تیزی سے بستر سے اٹھا اور سرہانے سے پستول نکالتا ہوا باہر کی طرف دوڑا۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور باہر کے حصے میں کسی کے دوڑتے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی۔ پھر برآمدے میں اسے میجر سعید اور ان کے نوکر کی آواز بھی سنائی دینے لگی۔ وہ اسی طرف دوڑتے آ رہے تھے۔ خان نے برآمدے سے جست کی اور کنیر کے پودوں کے سائے میں دوڑتے ہوئے ایک انسانی سائے کے اوپر جا گرا۔

''ارے ارے، یہ میں ہو، مائی باس۔'' اسے بالے کی دبی آواز سنائی دی۔

''کیا معاملہ ہے؟'' خان جلدی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

Akram Allahabadi

''معاملہ وہ ادھر ہے، پانی کی ٹنکی کے پاس۔'' بالے نے ٹارچ سے روشنی ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔اور خان نے گھوم کر دیکھا، واٹر ٹینک کے پاس کوئی سفید سی چیز زمین پر پڑی نظر آ رہی تھی۔اس کے نزدیک ہی انھیں ایک دوسرا متحرک سایہ نظر آیا، جو انھیں دیکھ کر بھی وہیں موجود رہا۔قریب پہنچ کر انھوں نے ٹارچ کی روشنی میں دیکھا وہ رؤف تھا جو پستول ہاتھ میں لیے کھڑا اور وہ سفید سی چیز کیس آدمی کی لاش تھی جو اس وقت دم توڑ چکا تھا۔پستول کی گولی اس کے سینے پر پڑی تھی۔میجر سعید اور ان کا نوکر بھی اتنے میں آ پہنچے۔

''بات کیا تھی؟'' خان نے پھر بالے سے پوچھا۔

''لیٹے لیٹے مجھے باہر کنیر کے درختوں کی طرف کچھ کھٹکا سا محسوس ہوا اور میں نے سوچا کیوں نہ میں کود ہی اٹھ کر دیکھوں کیا بات ہے۔میں بہت آہستہ سے دروازے سے نکلا مگر میں نے جیسے ہی ٹارچ کی لائٹ اک دم کنیر کے درختوں کی طرف ڈالی، اس سفید سے سائے نے مجھ پر فائر کر دیا۔وہ تو خیریت ہوئی کہ میں فوراً زمین پر گر پڑا ورنہ اس کا نشانہ خطا نہ جاتا۔میں پھر بھی اس کی زد میں تھا۔اس نے لگاتار دو تین فائر کیے اور مجھے اتنی مہلت ہی نہ دی کہ میں بھی جوابی فائر کر سکوں۔میں ادھر ادھر لڑھک کر خود کو بچانے میں مصروف تھا۔اسی وقت اچانک کسی اور طرف سے پستول چلنے کی آواز آئی اور وہ سایہ پانی کی ٹنکی کی طرف بھاگ اٹھا۔پھر ایک گولی اور چلی اور میں نے اسے لڑکھڑا کر گرتے دیکھا۔

''میں نے ہی اس دو فیر کیے تھے۔'' رؤف نے بتایا۔

''اور تو کیا میری نیند اتنی گہری تھی۔'' خان سوچ میں پڑ گیا۔

''جی نہیں، آپ کو کچھ نہیں پلایا گیا تھا بلکہ اس کے پستول میں شاید سائلنسر لگا ہوا تھا۔اس سے بہت ہلکی آواز نکلتی تھی۔آپ کی آنکھ بھائی رؤف کی فائرنگ پر کھلی

ہوگی۔'' بالے نے بتایا۔

''یہ حملہ غیر متوقع نہ تھا لیکن تم نے باہر نکل کر اچھا نہیں کیا۔'' خان نے بالے کو شاباشی دینے کی بجائے الٹی تنبیہہ کی۔

''تو گویا میں بغیر ہاتھ پیر ہلائے واصلِ بحق ہو جاتا۔''

''میں نے کمرے کی کھڑکی کھلی رکھی تھی اور اس مین بجلی کا تار لگا ہوا ہے۔ وہ صرف اسی راستے سے اندر داخل ہوتا اور ہم اسے بآسانی گرفتار کر لیتے۔''

''سوتے سوتے؟'' بالے نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''کرنٹ کی زد میں آتے ہی وہ چیخنے لگتا۔''

''لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ وہ لوگ ہماری خواب گاہ تک پہنچنے کی ہمت نہ کریں گے۔''

''تاکہ تم اطمینان سے سوجاؤ، ورنہ خطرے کے احساس سے تم جاگتے رہتے اور تمہاری عجلت بازی کام بگاڑ دیتی۔''

''آپ مجھے شاید دودھ پیتا بچہ سمجھتے ہیں۔'' بالے نے منہ پھلا کر کہا۔

''اب یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے کہ مجھے جگائے بغیر تم باہر نکل گئے تھے۔''

''مگر یہ ہے کون؟'' میجر سعید نے اپنی بندوق کا کندہ زمین پر ٹیکتے ہوئے کہا۔

''ایک پراسرار گروہ کا ایک معمولی سا آدمی۔'' یہ کہہ کر خان نے اس کی لاش پلٹتے ہوئے اس کے کوٹ کا کالر جیسے ہی سیدھا کیا رؤف اور بالے چونک پڑے۔ کالر کے اندر کی طرف وہی پتلی سانپ کا نشان استر میں لگا ہوا تھا۔

لاش کو اسی جگہ چھوڑ کر اور اس پر کالا کپڑا ڈال کر وہ اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔ سب سے پہلے خان نے میجر کے ڈرائنگ روم میں سے لال گودام پولیس اسٹیشن

کے انچارج انسپکٹر راز داں کو فون کیا اور بچھورہ بھی ان کے درمیان آ بیٹھا۔

''آج تو تم نے وقت پر پہنچ کر میری جان بچائی ہے، رؤف بھائی۔ بولو کیا انعام دوں'' بالے نے رؤف سے کہا۔

''ارے تم کیا انعام دوگے، یار۔''

''لیکن تم اس وقت آ کیسے پہنچے یہاں تک؟'' خان نے رؤف سے پوچھا۔

''میں اسپتال میں ہلاک ہونے والے قاسم کے بارے میں سراغ لگاتے لگاتے لال گودام پہنچا تھا۔ وہاں اسرار اور ابراہیم مل گئے۔ وہ لکی اسٹار کی خفیہ نگرانی کر رہے تھے۔ ان سے ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ لوگ بھی ہوٹل میں اندر موجود ہیں۔ لیکن جب آپ میجر صاحب کی کار میں ہوٹل سے نکل کر چلے اس وقت ایک اور آدمی بھی آپ لوگوں کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہ ٹیکسی میں تھا اور میں نے بھی وہیں سے ٹیکسی پکڑ لی تھی۔ آپ کی کار جب میجر صاحب کے بنگلے میں داخل ہوگئی تب اس نے اپنی ٹیکسی پلٹائی اور بجائے لکی اسٹار کے اس کی گاڑی میں روڈ سے ہوتی ہوئی بارٹر روڈ پہنچ گئی۔ میں چھوٹی بڑی گاڑیاں راستے سے بدل بدل کر اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ وہاں وہ گاڑی سے اتر کر ایک بلڈنگ میں داخل ہوگیا اور ٹیکسی چلی گئی۔ پھر میں نے اس بلڈنگ میں اجنبی کی طرح جا کر اسے ہر طرف ڈھونڈا، لیکن اس کا کہیں پتا نہ چلا۔ اتنا ضرور تھا کہ اس بلڈنگ کا کوئی اور داخلی دروازہ نہ تھا، اس لیے میں باہر آ کر دروازے سے کچھ فاصلے پر ایک ملاباری کی دکان پر بیٹھا رہا۔

''ٹھیک رات کو ۱۲ بجے یہ آدمی پھر اس بلڈنگ سے نکلا۔ اور میں نے دوبارہ اس کا پیچھا شروع کیا۔ وہ اس وقت پلٹے لکی اسٹار پہنچا، پھر وہاں سے ایک سیاہ رنگ کی کار اسے لا کر میجر صاحب کے بنگلے کے باہر چھوڑ گئی۔ میں اسی کار کے اسٹپنی میں بند ہو کر یہاں تک آیا تھا۔'' رؤف نے بتایا۔

Akram Allahabadi

''وہ بلڈنگ کون سی ہے؟''

''رات کے وقت ٹھیک سے سمجھ نہیں سکا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کسی تجارتی کمپنی کے دفاتر وغیرہ ہیں۔ اوپری حصے میں رعائتی رہائشی فلیٹ ہیں جن میں اوسط حیثیت کے عیسائی رہتے ہیں۔''

''خیر، کافی کارآمد محنت کی تم نے۔ ویسے میرا شبہ صحیح نکلا۔ وہ، وہی ہے۔''

''کیا آپ اس 'وہی' کی تشریح نہیں فرما سکتے۔'' بالے نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اب تو بتانا ہی پڑے گا۔ دراصل ہمارا مقابلہ ایک خطرناک اور چالاک فرانسیسی مجرم سے ہے۔ کیا تمہیں کلکتے کا 'رابسن بیلی' یاد نہیں ہے؟'' خان نے بالے سے پوچھا۔

''رابسن بیلی؟'' بالے حیرت سے تقریباً اچھل پڑا۔ ''مگر اسے تو ملک بدر کر دیا گیا تھا۔''

''اب وہ پھر کیسے طرح یہاں آ پہنچا ہے۔''

''مگر یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟''

''رابسن بیلی کے ساتھ ایک پستہ قد برمی ڈاکٹر بھی تھا۔'' خان کسی داستان گو کے انداز میں ایک نظر چاروں طرف ڈال کر بولا۔ ''جنگ کے زمانے میں کلکتے میں اس شخص نے جعل سازی کا ایک اتنا بڑا ریکارڈ قائم کیا تھا کہ اس کا زمانہ ہوتا تو اس کے انکشاف سے تہلکہ مچ جاتا۔ یہ ہاوڑہ کے مضافاتی علاقے میں جعلی دواؤں کا ایک بہت بڑا خفیہ کارخانہ چلا رہا تھا اور جنگ کی وجہ سے غیر ملکی دواؤں کی وجہ کیوں کہ مشکل ہو گئی تھی، اس لیے اس نے ان کی سستے قسم کی نقل جعلی لیبلوں کے ساتھ تیار کر کے اپنے خفیہ ایجنٹوں کے ذریعے بڑے وسیع پیمانے پر بازاروں میں پھیلا دی تھیں۔ خود اس کی ایسی

۱۲ بڑی دکانیں کلکتے اور مضافات میں قائم تھیں۔اس کا انکشاف اس وقت ہوا جب ان نقلی دواؤں کے مضر اثرات ظاہر ہونے لگے اور پبلک میں طرح طرح کی مہلک بیماریاں پھیلنے لگیں۔''

''کم بخت نے ہزاروں کی جانیں لی ہوں گیں۔''میجر نے بیچ میں ٹوک دیا۔

''ہزاروں نہ سہی تو سینکڑوں موتیں تو ضرور ہوئی تھیں۔''

''مگر آپ تک کیسے یہ بات پہنچی؟''

''وہاں کی خفیہ پولیس اور میڈیکل بورڈ کے خفیہ ایجنٹوں نے جب دکان دکان دواؤں کی جانچ شروع کی تو اسی درمیان میں میڈیکل بورڈ کے دو ایجنٹوں کی عجیب وغریب طریقے سے موت واقع ہوگئی۔''

''عجیب تو درست ہوسکتا ہے،لیکن غریب طریقے کی تشریح فرمایے۔''بالے بول پڑا۔

''چپ رہو۔''خان نے اسے ڈانٹا۔

''برمی ڈاکٹر نے ہی رابسن بیلی کو بعض جنگلی بوٹیوں کے اثرات سے واقف کردیا تھا اور ان میں سے ایک وہ بوٹی تھی جس کے عرق کی خوش بو پر بچھو ناچنے لگتا ہے۔ بالکل ایسا ہی ایک خون پولیس انسپکٹر کا بھی ہوا۔چناں چہ تفتیش کے لیے مجھے اور انسپکٹر کوئلو کو بمبئی سے خصوصی طور پر طلب کیا گیا۔اور ہم نے بالآخر اس کا سراغ نکال ہی لیا۔اور اس کے باوجود کہ اس خوش بو اور بچھوؤں کے ذریعے واقع ہونے والی ان وارداتوں کی تفصیلی تحقیق ہم نے کرلی تھی،مگر قانونی طور پر اس کے ثبوت فراہم نہ کیے جاسکے اور مفادِ عامہ کے پیشِ نظر نقلی دواؤں کے معاملات کو سرکاری طور پر صیغۂ راز میں رکھتے ہوئے حکومت نے رابسن بیلی کو گرفتار کر کے حکومت فرانس کے حوالے کردیا تا کہ وہ اس کو مناسب سزا دے۔اس کے بعد کے حالات مجھے معلوم نہیں،لیکن اس قدر یاد ہے کہ بیلی

نے گرفتاری سے پہلے اس بم کو بھی ختم کرا دیا تھا تا کہ وہ غداری نہ کر سکے۔'' خان یہ کہہ کر رک گیا اور ان کی شکلیں دیکھنے لگا۔ وہ سب ہی خاموش اور فکرمند نظر آ رہے تھے۔

''تو کیا یہ وہی بیلی ہے؟''

''ڈاکٹر بخاری کی موت سے ہی مجھے شبہ ہو گیا تھا، وہ یقیناً وہی ہے۔''

''ہو سکتا ہے کہ کسی اور کو بھی وہ طریقہ معلوم ہو، جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے۔'' بالے نے اعتراض کیا۔

''ہو سکتا ہے، مگر میں نے ایک دوسرے طریقے سے بھی اس کی تصدیق کر لی ہے، جس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ لال گودام سے اور خاص کر لکی اسٹار سے بھی اس کا کچھ تعلق ہے۔''

''وہ کیسے؟''

''نپولین کی روح۔'' خان بالے کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''مگر وہ تو پاگل پن...'' بالے نے کہنا چاہا۔

''صرف اسی کو چونکانے کے لیے تا کہ اگر واقعی ان پراسرار وارداتوں کی پشت پر اسی کا ہاتھ ہے تو وہ کسی نہ کسی طریقے سے ہمارے سامنے آ جائے گا۔'' خان نے بتایا۔

''پھر اس نپولین کی روح کا راز کیا ہے آخر؟''

''نپولین سے رابسن بیلی کے خاص آدمیوں کو کوڈ تھا۔ وہ ایک دوسرے سے متعارف ہوتے وقت اسی کو استعمال کرتے تھے اور اسی لیے میں نے نپولین کی روح کا خبط تم پر سوار کروا دیا تا کہ اوّل تو تمہاری حرکتوں سے انھیں شبہ ہو اور پھر نپولین کا نام انھیں چونکا دے۔'' خان نے کہا۔ ''لیکن اس سے فائدہ؟''

''وہ ہمیں کلکتے کا کوئی پرانا رازدار سمجھ کر یا تو ہمیں ختم کرانے کی کوشش کرے

گا یا پھر اپنے ساتھ شامل کرنا چاہے گا۔اور دونوں صورتوں میں ہمیں اس کے موجودہ مقام اور اس کے ذرائع کا علم ہو جائے گا۔'' خان نے بتایا۔

''تو کیا یہاں بھی وہ جعلی دواؤں کا سلسلہ چلا رہا ہے؟'' میجر نے پوچھا۔

'' آج کل کے حالات میں تو یہ ممکن نہیں، لیکن وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔ ممکن ہے اور کوئی رخ اختیار کیا ہو اس نے۔ ہر صورت اب ہمیں جلد از جلد اس کا سراغ لگانے کی کوشش کرنی چاہیے۔''

''وہ بلڈنگ میں آپ کو بھی دکھا سکتا ہوں۔'' رؤف نے کہا۔

''وہ جگہ بھی اس کی مخصوص جگہ نہ ہوگی۔وہ اتنا غیر محتاط نہیں رہتا۔ویسے کل ہم اس کا بھی جائزہ لے لیں گے۔''

''کوئی اور سراغ کا امکان۔''

''کاش وہ آدمی زندہ رہ جاتا۔'' خان نے رؤف کی گولی سے ہلاک ہونے والے کے بارے میں کہا۔

''ویسے اب میرا خیال ہے کہ اس کی دوسرا اقدام دوستانہ نہ ہوگا۔''

''تو پھر میری جگہ آپ لے لیجیے۔بندہ اس عہدِ شباب میں شہید ہونا نہیں چاہتا۔''

''کرنا بھی یہی پڑے گا، کیوں کہ تم اس کے بارے میں بہت کم جانتے ہو۔'' خان نے اس کی تجویز سے اتفاق کیا۔

''حالات واقعی دہشت ناک ہیں۔'' میجر لمبی ٹھنڈی سانس کھینچ کر بولا۔

'' آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔وہ غیر متعلق آدمیوں سے قطعی نہیں الجھے گا۔اب تک سوائے ڈاکٹر بخاری کے باقی تمام خون ان برے آدمیوں کے ہوئے ہیں جو کسی نہ کسی طرح اس سے متعلق رہے ہوں گے۔اور شاید اسے ان سے افشائے راز کا

خطرہ پیدا ہو گیا ہو گا۔'' خان نے میجر کو سمجھایا۔

''لاحول ولاقوۃ۔تم کیا مجھے بزدل سمجھتے ہو۔ایسی کی تیسی ان سالوں کی۔''

میجر کو جوش آ گیا، لیکن لا حاصل تھا، کیوں کہ مدِ مقابل تو تھا ہی نہیں یہاں۔

''بچے کہاں ہیں؟'' خان نے میجر سے پوچھا۔

''وہ اندر والے کمرے میں سو رہے ہیں۔وہاں تک شاید فائرنگ کی آواز بھی نہ پہنچی ہو گی۔'' میجر نے کہا۔لیکن اسی وقت انسپکٹر رازداں مع دو سپاہیوں کے آ پہنچا۔ خان کی ہدایت کے مطابق وہ بہت خاموشی سے اندر آیا تھا۔

''باہر ایک لاش پڑی ہے جو سنگین جرائم سے تعلق رکھنے والے ایک پراسرار گروہ کے ایک فرد کی ہے۔وہ حفظ ماتقدم میں پولیس کی گولی سے مارا گیا ہے۔'' خان نے رازداں کو بتایا۔

''رپورٹ تو صبح مرتب کی جائے گی نا؟'' رازداں نے ادب سے پوچھا۔

''ہاں۔سردست آپ اسے اٹھوا لے جایئے اپنی گاڑی میں۔اور ہاں پیپر رپورٹ یہی ہونا چاہیے کہ یہ لاش آپ کو کسی سڑک پر پڑی ملی ہے، یہاں سے دور۔اسے زیادہ اہمیت مت دیجیے گا۔'' خان نے ہدایت کی۔

''بہتر ہے۔'' انسپکٹر رازداں نے رخصت ہونے کی اجازت چاہنے کے انداز میں اٹنشن ہو کر کہا۔

''اور ہاں، پولیس کا اندازہ یہی بتایے گا کہ غنڈوں کی آپس کی رقابت کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔'' خان نے جاتے جاتے اسے ہدایت کی۔

''سمجھ گیا۔'' وہ مسکرایا۔اور پھر سپاہیوں سمیت باہر نکل گیا۔رؤف پیچھے پیچھے اسے لاش دکھانے چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# بنامِ خود

صبح ناشتے کے بعد خان دیر تک کسی کو فون کرتا رہا اور بالے اس درمیان میں الطاف اور پروین کے ساتھ الجھا رہا۔ فوجی گپ بازیوں سے ہوتی ہوئی ان کی گفتگو نپولین تک آ گئی۔

''اچھا، یہ بتایئے نپولین کی بیوی کون تھی؟''

''کون تھی؟ عورت تھی اور کون تھی؟''

''میرا مطلب کس قسم کی عورت تھی؟''

''بڑھیا قسم کی ہی تھی ورنہ نپولین اسے منہ کیوں لگاتا۔

''افوہ...، اچھا اس کا نام کیا تھا؟''

''رہا ہوگ کچھ، شبراتن، نصیرن وغیرہ۔'' بالے معصوم صورت بنا کر بولا، جس پر الفاظ نے ساختہ ہنس پڑا۔

''لیفٹنٹ صاحب تو کہتے ہیں کہ آپ میں نپولین کی روح آیا کرتی تھی جب آپ پر دورہ پڑتا ہے۔''

''نہیں ہم ابھی دورے پر نہیں گئے۔''

''دورہ، یعنی فسٹ۔''

''آپ کس چست لباس کا ذکر کر رہی ہیں کیا؟''

''اف...، آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ فسٹ، یعنی دوری یعنی فسٹ۔''

''اوہ...، فسٹ۔'' بالے نے سراپا احمق بنتے ہوئے کہا۔ ''سنا میں نے بھی ہے، مگر مجھے یاد نہیں۔'' وہ پھر بولا۔

''کیا آپ کو دورے کی باتیں کچھ بھی یاد نہیں رہتیں؟''

''اونہو نہہ۔'' بالے نے گردن ہلا دی۔

اتنے میں خان بھی ڈرائنگ روم سے فون کر کے واپس آ گیا۔ میجر سعید اپنی گاڑی لے کر کسی کام سے باہر گئے تھے۔ شب بے داری کے تکان سے نیند خان کی آنکھوں میں بھری آ رہی تھی، اس لیے وہ بالے کو یہ ہدایت کرتے ہوئے کہ جس وقت میرا کوئی فون آئے، مجھے اٹھا لینا، سونے کے کمرے میں چلا گیا۔ الطاف بھی برآمدے کی طرف چلا گیا تھا۔ اب بالے اور پروین بیٹھے باتیں کرتے رہ گئے۔

''اچھا یہ بتایئے آپ کو پولیس کے آدمیوں کو زیادہ اچھا سمجھتی ہیں یا فوج کے آدمیوں کو؟''

''فوجی تو زیادہ تر عقل سے پیدل اور حکم کے غلام ہوتے ہیں اور پولیس والے رشوت خود۔'' وہ ہنس کر بولی۔

''سمجھا ارشاد فرمایا آپ نے۔''

''لیکن میرے انکل حضور خان پولیس کے محکمہ خفیہ کے انچارج سپرنٹنڈنٹ ہیں۔ وہ البتہ بڑے اچھے اور نیک آدمی ہیں۔ میں ان کی بہت عزت کرتی ہوں۔'' پروین نے بتایا۔

''اوہ، وہ خان صاحب، وہ بوڑھے سے نا؟''

''ایسے کچھ بوڑھے بھی نہیں، بس ادھیڑ عمر کے ہیں۔''

''ذرا طویل و عریض بھی ہیں، میرا مطلب بمعنی تگڑے۔''

''جی ہاں۔''

''مجھے ایسے ہاتھی ٹول آدمی سخت ناپسند ہیں۔ آدمی کاہے کو ہوئے اونٹ کا درخت ہو گئے۔''

''اونٹ کا درخت؟''

''جی ہاں، اونٹ جس درخت پر چڑھ کر بیٹھتا ہے، وہی۔'' بالے نے لاپرواہی سے دونوں ہاتھ جھٹک کر کہا۔

''اونٹ درخت پر چڑھتا ہے؟''

''ارےبھئی، ایسی باتیں جو نہ ہوتی ہوں وہ فرض کر لی جاتی ہیں۔''

ٹھیک ۲ بجے خان کے نام انسپکٹر ڈیسوزا کا فون آیا۔ خان اس وقت سو رہا تھا۔ بالے نے جا کر اسے اٹھا دیا۔

''انسپکٹر ڈیسوزا کا فون ہے۔'' وہ بولا اور خان گون پہن کر سیدھا ڈرائنگ روم میں جا گھسا۔

''ہیلو۔'' وہ رسیور اٹھا کر بولا۔ ''سپرنٹنڈنٹ خان اسپیکنگ۔''

''سر، اس بلڈنگ کا نام امپائر ٹیرس ہے۔ بلڈنگ کا مالک ایک ایرانی ڈاکٹر ہے، جس کا نام ابھی نہیں معلوم ہوسکا ہے، لیکن وہ خود شہر سے باہر دہو کی کھاڑی پر سمندر کنارے رہتا ہے۔ اس بلڈنگ میں رہنے والے تقریباً تمام لوگ گوائی عیسائی ہیں۔ اور نچلے حصے میں قالین کا ایک کارخانہ ہے اور پشت کی طرف اس کا گودام اور اس بلڈنگ یں رہنے والے زیادہ تر لوگ اسی کارخانے میں کرم کرتے ہیں۔'' ڈیسوزا نے بتایا۔

''اس کارخانے کا مالک کون ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''کوئی انگریز ہے، شاید جو ہندوستان میں نہیں رہتا۔ کبھی کبھی آتا ہے۔ اسے اس کا ہندوستانی منیجر چلاتا ہے۔''

''اچھا، آپ سر دست اس بلڈنگ پر خفیہ نگرانی قائم رکھیے اور آنے جانے والوں کی شخصیت اور ان کی حرکتوں کا جائزہ لیتے رہیے۔ میں کسی وقت وہیں ملوں گا۔'' خان نے یہ کہہ کر سلسلۂ گفتگو منقطع کر دیا۔

''اب شاید آپ قالین بیچیں گے۔ ہے تو منافع کا دھندہ۔''

''بالے، تمہارا یہیں موجود رہنا ضروری ہے، ممکن ہے کسی کا کوئی خفیہ پیغام تمہارے نام آئے۔ میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ جلد ہی لوٹ آؤں گا۔''

''واپسی پر اگر میں یہاں نہ ملوں تو بلا تکلف قبرستان تشریف لے آیے گا۔'' بالے نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

''یہ بھی ٹھیک ہے۔ میں سرکاری کفن دفن کا انتظام پہلے سے کرائے دیتا ہوں۔'' خان اپنا کوٹ سنبھالتے ہوئے بولا۔

''ہائیں، تو بے رخی اس نقطۂ عروج پر پہنچ گئی ہے۔'' وہ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور خان مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# موت کے منہ میں

خان کا اندازہ صحیح نکلا۔ بالے رات کو سونہ پایا تھا، اس لیے دوپہر کو اس کی آنکھ لگ گئی۔ کمرے کی کھڑکی کھلی ہی ہوئی تھی اور دن کے وقت کوئی ایسا خطرہ بھی نہ تھا جو اسے چونکائے رکھے۔ مگر سہ پہر کو خود پروین نے آکر اسے اٹھا دیا۔ وہ نیند سے بیدار ہوتے ہی آنکھیں پھاڑ کر پروین کی شکل دیکھنے لگا۔

''آپ اس طرح کیا دیکھ رہے ہیں؟'' پروین نے گھبرا کر پوچھا۔

''خدا کی قدرتاں کا نمونہ دیکھتا جی۔'' وہ عجیب سا منہ بنا کر بولا۔ جس پر پروین نے تحاشا ہنس پڑی اور اس کے موتیوں جیسے سفید دانت چمکنے لگے۔

''آپ کا فون۔'' پروین نے بتایا۔

''میرا خون؟ ہائے میرا خون تو کا ہو چکا ہے۔'' بالے کا لیجہ حسرت ناک ہو گیا۔

''شاید آپ کے سر پر کوئی خواب سوار ہے۔''

''اس وقت تو آپ ہی سوار ہیں۔''

بالے کے اس جواب پر وہ جھینپ سی گئی۔

''آپ کا فون آیا ہے۔ میں تو اس کے لیے آپ کو اٹھانے آئی تھی۔''

''تو پھر اٹھایے نا مجھے۔ میں بہت ہلکا پھلکا ہوں۔'' بالے نے معصومیت سے کہا۔ یہ کہہ کر وہ اسی طرح اٹھ کھڑا ہوا اور پروین کے ساتھ ہو لیا۔

ڈرائنگ روم میں آکر رسیور اٹھاتے ہوئے وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''ہیلو، آپ کون بولتے ہیں۔ ایں... کیا... نپولین... ناممکن۔ دنیا میں بیک

وقت دو نپولین نہیں ہو سکتے ۔ میں اکلوتا نپولین ہوں ۔... بزنس کی بات؟... اوہ... تو آپ ہیں... کہاں ملے گی... لکی اسٹار... وہ چڑی مار ہوٹل... خیر... لیکن رات کو کیسی رہی... میں ... ارے مجھے نہیں پہچانے آپ... آپ کا پرانا خادم... باؤ... لیکن دھوکا ہوا تو انجام معلوم ہے؟... ہاں ہاں ... ضرور... ساڑھے آٹھ بجے... ٹھیک ہے ۔'' یہ کہہ کر اس نے رسیور رکھ دیا ۔ پروین حیران سی کھڑی اس کی باتیں سن رہی تھی ۔

''یہ کس سے گفتگو کر رہے تھے آپ؟''

''پاگل خانے سے ایک صاحب نے ٹیلی فون کیا تھا ۔ ملاقات فرمانا چاہتے ہیں لکی اسٹار میں ۔''

'' آپ لوگوں کی باتیں میری سمجھ میں کچھ آ نہیں رہی ہیں ۔ کبھی کبھی تو مجھے ان پر شک ہونے لگتا ہے ۔'' وہ صاف لہجے میں بولی ۔

'' آپ اپنے دل کو لکس ٹائلٹ سے دھو کر صاف رکھیے، ہم لوگوں کی ذات شبہ سے بالاتر ہے ۔'' بالے نے اپنے کمرے میں واپس لوٹتے ہوئے اسے جواب دیا ۔ وہ اس وقت کسی فکر میں ڈوبا نظر آ رہا تھا ۔ پروین دروازے سے ہی واپس لوٹ گئی ۔ مگر وہ خود کسی ذہنی الجھن میں مبتلا معلوم ہو رہی تھی ۔ ممکن ہے بالے کے ہی بارے میں ۔

☆☆☆☆☆☆

شام کو ساڑھے آٹھ بجے سارجنٹ بالے اپنے اس نیم پاگل فوجی کے لباس میں لکی اسٹار میں بیٹھا کسی کا انتظار کر رہا تھا ۔ آج بھی کاؤنٹر منیجر اسے اپنی جگہ بیٹھا بیٹھا گھور رہا تھا، لیکن اس کے چہرے پر کسی قسم کے ناخوش گوار تاثرات نہیں تھے ۔ بالے اس وقت اکیلا تھا اور اسی ہال میں کچھ دور ایک دوسری میز پر ایک جوان آدمی کے ساتھ ایک تن درست سا پٹھان بیٹھا مینگولا سے شوق فرما رہا تھا ۔ اس کی تیز چمکیلی نظریں بار بار

ماحول کا جائزہ لیتی ہوئی بالے تک جا کر ٹھہر جاتیں۔

ٹھیک ساڑھے آٹھ بجے بالے کی نظریں خود بخود ہوٹل کے داخلی دروازے کی طرف اٹھ گئیں۔ آنے والی ایک سانولے رنگ کی مگر پرکشش نقش ونگار والی جوان لڑکی تھی۔ بڑی بڑی آنکھیں، گول چہرہ، پتلی ناک اور بھرا بھرا اوسط جسم۔ وہ آسمانی رنگ کی ریشمیں ساڑی پہنے ہوئے تھی۔ بالے کی نظریں اس پر جم کر رہ گئیں۔ اسے اس نرز کا حلیہ یاد آ گیا، جس پر ڈاکٹر بخاری کے خون کا شک تھا۔ وہ سنبھل کر بیٹھا گیا۔ اس لڑکی نے اندر داخل ہو کر ایک نظر چاروں طرف ڈالی اور پھر بالے کی طرف دیکھنے لگی۔ بالے نے لاپرواہی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اسے آنکھ ماردی اور وہ مسکراتی ہوئی اسی طرف بڑھنے لگی۔ ان لوگوں کے چہرے بگڑ گئے جو اس امید میں اس کی طرف دیکھ رہے تھے کہ یہ پیکرِ شباب شاید ان کا بخشیش ہوگا۔

''میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟'' لڑکی نے بالے کی میز کے قریب آ کر کہا۔

''ہاں ہاں، شوق سے۔'' بالے نے خود کرسی پیش کر دی اور وہ اسے گہری نظروں سے دیکھنے لگی۔

''کچھ پیشگی؟'' بالے نے بے تکلفی سے پوچھا۔

''کافی زندہ دل معلوم ہوتے ہیں آپ۔''

''کافی، اوہ... ابھی لیجیے۔'' بالے نے ویٹر کو اشارے سے قریب بلاتے ہوئے کہا اور وہ مسکرا دی۔

''دو دن سے مجھے اس بنجر زمین میں ایک بھی خوب صورت لڑکی نظر نہیں آئی تھی۔''

''تو کیا میں خوب صورت ہوں؟'' وہ معنی خیز انداز میں مسکرائی۔

''ہائے، آپ کیا جانیں آپ کیا ہیں، چلتی پھرتی بجلی، ہنستا بولتا جادو اور اگر

میں آپ کو معجونِ شباب کہوں تو آپ برا نہ مانیں گی۔''

''قطعی نہیں، اس لیے کہ میں اسے آپ کا خللِ دماغ سمجھوں گی۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''گریٹ انسلٹ۔ آپ... آپ مجھے سمجھ کیا رہی ہیں۔ آپ کو معلوم ہے میں کون ہوں؟'' بالے اپنا گھونسا ہوا میں بلند کر کے فخریہ لہجے میں بولا۔

''نپولین۔'' لڑکی نے آہستہ سے کہا۔

''ارے، تو آپ...؟'' بالے کہتے کہتے رک گیا۔ ''کون ہیں آپ؟'' اس نے اسے تیز نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

''مجھے بیلی نے بھیجا ہے۔''

''اس کا اللہ بیلی ہے۔ ویسے اس الّو کے پٹھے نے کافی خوب صورت تحفہ بھیجا ہے ورنہ میرا دماغ خراب ہو جاتا۔''

ویٹر کافی لے آیا اور میز پر رکھ کر چلا گیا۔

''آپ میرے ساتھ چلیں گے۔'' لڑکی نے آہستہ سے کہا۔

''آپ کے ساتھ... آپ کے ساتھ تو میں جہنم تک چلنے کو تیار ہوں۔ بیلی بڑا چالاک آدمی ہے۔''

''کیوں؟''

''اس نے میرے لیے آپ جیسا خطرناک ہتھیار استعمال کیا ہے، یہی میری کمزوری ہے۔'' بالے بے بسی کے انداز میں بولا۔

''آپ بنا رہے ہے مجھے۔'' وہ ادائے محبوبانہ سے بولی۔

''لعنت ہے ایسا سوچنے والے پر، آپ تو وہ شراب ہیں جسے سونگھ کر بھی آدمی ہوش میں نہ رہے۔''

Akram Allahabadi

''جھوٹ۔''لڑکی نے پلکیں جھپکا کر ناز سے کہا۔

''جھوٹ بولنے والے کا خدا خانہ خراب کرے۔ مجھے تو آپ سے عشق ہوا جارہا ہے۔''

''ہمیں اب چلنا چاہیے۔''

''ارے گولی ماریے اس سالے کو، پہلے ذرا جی بھر کر باتیں تو کرلیں۔''

''بیلی وقت کا بہت پابند ہے اور اس کا غصہ بھی بہت خراب ہے۔''

''میرا غصہ مہا خراب ہے۔ میں ہاتھی کی ہڈیاں پیس کر سرمہ بنا سکتا ہوں۔''

''اوہ...تم سمجھتے کیوں نہیں۔''وہ کافی کی پیالی ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا، نہیں مانتیں تو چلو۔''بالے بھی بل کے پیسے پلیٹ میں ڈال کر اٹھ کھڑا ہوا، لیکن وہ باہر جانے کی بجائے داہنی طرف ہال کے ایک دروازے میں داخل ہوگئی اور بالے کو اس کا پیچھا کرنا پڑا۔ان کے جاتے ہی وہ پٹھان بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اسی دروازے کی طرف چل دیا، مگر ہوٹل کے ایک ویٹر نے اس کا راستہ روک دیا۔

''ادھر راستہ نہیں ہے۔''وہ بولا۔

''ارے مہربان، ہم کو راستے کا نہیں، پیشاب خانہ کی حاجت ہے۔''

''ادھر نہیں ہے۔''

''تو کدھر ہے تمہارا جیب میں فرمائے گا ہم۔''

''باہر جاؤ۔''

''خوچہ تم بیرا ہے یا لاٹ گورنر۔ام کو باہر جانے کو بولتا۔خنزیر کا بچہ، تم ہمارا بے حرمتی کرتا۔''پٹھان اک دم بگڑ گیا اور بیرا کچھ سٹ پٹا سا گیا۔

''تم باہر نکلو، ام دیکھے گا تم کو، بہادر کی اولاد۔''یہ کہتا ہوا پٹھان غصے میں ہوٹل کے باہر نکل گیا اور سب دیکھتے ہی رہ گئے۔

Akram Allahabadi

ایک تنگ سی نیم تاریک گلی کو عبور کر کے بالے اس لڑکی کے ساتھ ایک کشادہ اور آراستہ کمرے میں پہنچ گیا، جس میں تین دروازے تھے اور ان پر پردے لٹکے ہوئے تھے۔ لڑکی نے یہاں رک کر ایک دروازے پر تین بار دستک دی۔ فوراً ہی دروازے کے اوپر دروازے کے اوپر دیوار میں لگے ہوئے ایک شمع دان سے باریک سی آواز سنائی دینے لگی۔

''کون ہے؟''

''ہیرا کنڈ۔'' لڑکی نے جواب دیا۔ بالے ہیرا کنڈ کا نام سنتے ہی چونک پڑا۔ اس نے یہ نام خان سے بھی سنا تھا۔ اتنے میں دروازہ کھل گیا اور وہ لڑکی اور بالے دونوں اندر داخل ہو گئے۔ انکے داخل ہوتے ہی دروازہ دوبارہ بند ہو گیا۔

''مگر، مس... آپ نے ابھی تک اپنا نام نہیں بتایا مجھے۔'' بالے نے چلتے چلتے اس لڑکی سے پوچھا۔

''نیلوا ور آپ؟''

''مجھے باؤ کہتے ہیں۔''

''باؤ؟ یہ کیا نام ہوا؟''

''میں باؤ برمل کا چھوٹا بھائی باؤ خرمل ہوں۔'' بالے نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

وہ اب ایک ایسے تکئے ہال کے درمیان سے گزر رہے تھے جہاں چھوٹی بڑی میزوں پر فلیش، رمی، رنگ ٹارگٹ اور ریوالونگ فگرز کا جوا ہو رہا تھا اور ان گنت اچھی حیثیت کے آدمی وہاں موجود تھے۔ مگر ان میں سے کسی نے ان کی طرف پلٹ کر بھی نہ دیکھا، البتہ بالے نے چور نظروں سے صرف اتنا دیکھ لیا کہ ان کی میزوں پر نوٹوں اور سکوں کی جگہ کاغذ کے کوپن رکھے تھے جن پر مختلف نمبر چھپے ہوئے تھے۔ اس ہال سے گزر کر وہ ایک دروازے میں گھوم گئے۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا، جہاں ایک میز پر ایک پستہ

قد موٹا سا آدمی بیٹھا شراب پی رہا تھا۔

''ہیلو، سوئیٹ۔'' وہ نیلو کو دیکھ کر آنکھ مارتے ہوئے بولا۔ ''مگر یہ کباب میں ہڈی کون ہے؟'' اس نے بالے کی طرف تنفر آمیز نظروں سے دیکھ کر کہا۔

''کباب میں ہڈا، فرمایے۔'' شاید آپ کو جنسی تمیز بھی نہیں ہے۔'' بالے نے سنجیدگی سے اسے خود جواب دیا۔

''اوہو، آدمی بولتے معلوم ہوتے ہو۔''

''میں آدمی نہیں ہوں، میرا نام باؤ ہے۔'' بالے نے چہرے پر درشتگی کے آثار پیدا کر لیے۔

''باؤ۔'' اس آدمی نے دہرایا اور پھر اس کا چہرہ کچھ پھیکا پڑ گیا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہو گیا۔

''مجھے معاف کیجیے گا، میں سمجھا تھا نیلو نے کوئی نیا شکار مارا ہے۔''

''شٹ اپ۔'' نیلو پیر پٹک کر چیخی۔ ''تمہیں بات کرنے کی بھی تمیز نہیں، سور۔''

''خیر خیر، میں تمہاری گالیوں کا کبھی برا نہیں مانتا، ڈارلنگ۔ مگر واپسی پر تمہارا انتظار ضرور کروں گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی میز کے ایک دراز کو جھٹکے سے باہر کھینچ لیا جس کے ساتھ ہی خفیف سی گونج کے ساتھ دیوار میں لگا ہوا بوتلوں کا شیلف آگے بڑھ آیا اور اس کے پیچھے ایک دروازہ پیدا ہوا۔

''پہلے آئینے میں اپنی منحوس شکل دیکھو۔'' یہ کہتی ہوئی وہ تیزی سے اسی خلا میں داخل ہو گئی اور بالے بھی اس کے پیچھے اس تاریکی میں چل پڑا۔ وہ اب کسی تنگ و تاریک سے کاریڈور میں گزر رہے تھے۔ یہ تاریک کاریڈور ایک محراب دار دروازے پر جا کر ختم ہوا، جس کے دروازے پر ایک عورت کا مجسمہ رکھا ہوا تھا اور اس کی دونوں آنکھیں روشن

تھیں ۔یہ رومن فنِ سنگ تراشی کے نمونے کا ایک عورت کا نیم برہنہ مجسمہ تھا۔نیلو نے اس کی دونوں آنکھوں میں انگلیاں ڈال کر ان کے روشن ڈھیلے اندر کی طرف دبا دیے جس کے ساتھ ہی کہیں دور گھنٹیاں بجنے کی آواز سنائی دینے لگی اور چند سیکنڈ کے بعد محراب دار دروازہ آپ سے آپ کھل گیا۔

''کون ہے؟'' ایک آواز نے انھیں اندر گھستے ہی ٹوکا۔

''نیولین۔'' نیلو آہستہ سے بولی۔

''سات نمبر میں جاؤ۔'' وہی آواز پھر سنائی دی۔

بالے نے دیکھا اس کمرے میں آرام دہ صوفہ سیٹ بچھے ہوئے تھے۔ ہر صوفے پر ایک آدھ مرد ایک عدد خوب صورت لڑکی یا عورت سے مصروفِ تفریح تھا۔

''ادھر دیکھنے کی اجازت نہیں، سیدھے چلے آیے۔'' نیلو نے اسے ٹوک دیا۔

وہ اس تیسرے ہال سے گزر کر ایک دروازے میں، جس کے اوپر سات کا ہندہ بنا ہوا تھا، پہنچ کر رک گئے۔نیلو نے پھر اس دروازے پر تین بار دستک دی۔اور باؤ کہہ کر رک گئی۔وہ دروازہ فوراً ہی کھل گیا اور وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔

اندر سے یہ ایک بلند چھت والا شان دار کمرہ تھا، جس کے فرش پر خوب صورت کشمیری قالین بچھا ہوا تھا اور وسط میں ایک قیمتی صوفہ سیٹ رکھا تھا، جہاں ایک صوفے پر ایک تن درست اور بلند قامت آدمی مٹیالے رنگ کا گرم سوٹ پہنے بیٹھا تھا۔ اس کی کلائی پر سنہری گھڑی بندھی ہوئی تھی۔نیلو اس کے سامنے پہنچ کر مؤدب ہو گئی۔

''باؤ۔'' وہ بولی۔

''ہاں ہاں، آیے آیے۔'' وہ بالے کے استقبال کے لیے خود آیا۔

پراسرار لوگوں کی اس خفیہ کمین گاہ میں خود کو تنہا محسوس کرتے ہوئے نفسیاتی طور پر بالے کسی قدر خوف زدہ تو ہو رہا تھا، لیکن اس نے اپنی اندرونی کیفیت کا اظہار

چہرے یا حرکتوں سے نہ ہونے دیا۔ وہ لاپرواہی سے اس کے سامنے آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

''مسٹر باؤ، مجھے خوشی ہوئی کہ آپ حسبِ وعدہ چلے آئے، لیکن میں آپ کی اصل شکل دیکھنا چاہتا ہوں۔'' اس آدمی نے کسی قدر طنزیہ لہجے میں کہا، جس سے بالے کا ماتھا ٹھنک اٹھا۔

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔'' بالے نے بظاہر خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

''ذرا سا گرم پانی لے آؤ۔'' اس آدمی نے نیلو کو حکم دیا۔ اور وہ اسی وقت چلی گئی۔ بالے نے میز کے نیچے جیب میں ہاتھ ڈال کر پہلے اپنا ریوالور ٹٹولا، پھر پیر لمبے کر کے اطمینان سے بیٹھ گیا۔

''دیکھیے، مسٹر باؤ۔'' اس نے کہنا شروع کیا۔ ''یہاں آپ کو کچھ حصہ نہ مل سکے گا سوائے اس کے جو میں اپنی خوشی سے دے دوں۔ میں یہاں کوئی غیر قانونی حرکت نہیں کر رہا، سوائے اس کے کہ اپنی اور اپنے آدمیوں کی ضرورت کے لیے چند جعلی سکے اور نوٹ چھاپ لیتا ہوں اور ان سے بھی میں پبلک کو بے وقوف نہیں بناتا۔ یہ کرنسی صرف میرے جوئے خانوں میں چلتی ہے۔ اگر میرے آدمی ہارتے ہیں تو وہ جعلی سکے ہارتے ہیں اور جیتتے ہیں تو وہ اصلی سکے جیتتے ہیں۔ نقصان صرف جواریوں کا ہوتا ہے۔ اور پھر میرے سکے بھی اتنے خراب نہیں ہوتے کہ انھیں جیت کر باہر لے جانے والے جواری قانون کے ہاتھوں میں پھنس جائیں۔ کم از کم ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا ہے۔'' وہ بھاری اور پراسرار لہجے میں کہتا رہا۔

''میں یہ کچھ نہیں جانتا، مجھے میرا کمیشن چاہیے، مسٹر بیلی۔ آج کل میں بہت مفلس ہو رہا ہوں۔'' بالے نے بھی لہجے میں سختی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ۔'' وہ خطرناک طور پر چونکا۔ ''کمیشن، مل جائے گا۔'' وہ زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ اور اسی وقت نیلو طشت میں گرم پانی لیے آ پہنچی۔

''لیجیے، پہلے آپ اپنا میک اپ دھوڈالیے تا کہ میں یقین کرلوں کہ آپ واقعی مسٹر باؤ ہیں۔''اس نے لہجے میں نرمی برقرار رکھی۔

''بے شک۔''بالے نے کرسی سے اٹھتے ہوئے یہ کہہ کر اس تیزی سے اس گرم پانی کے طشت پر ہاتھ مارا کہ طشت معہ پانی کے اس کے منہ پر جا گرا۔نیلو اس وقت میز پر پڑا ہوا ریوالور اٹھانے ہی جا رہی تھی کہ بالے نے اسے ایک ہاتھ سے بازو میں جکڑ لیا۔

''تم کیوں تکلیف کرتی ہو، ڈارلنگ۔ہم تو پہلے ہی تمہاری اداؤں پر شہید ہو چکے ہیں۔''بالے نے اسے بے بس کرتے ہوئے کہا۔اس نے دوسرے ہاتھ میں پستول نکال لیا تھا جس کا رخ اس آدمی کی طرف تھا۔وہ اب تک اپنے رومال سے اپنا منہ پوچھ رہا تھا۔شاید گرم پانی نے بری طرح جلا دیا تھا اس کے چہرے کو۔

''میرا نام باؤ سے باؤ لے اور پھر سارجنٹ بالے بنتا ہے، بیلی۔''وہ اسے نشانے میں رکھتے ہوئے بولا۔

''بیلی... ہاہاہا... بیلی رابسن، ہاہاہا...''

کمرے میں اچانک کسی نظر نہ آنے والے انسان کے قہقہے گونجنے لگے۔

''نامعقول جاسوس، تم سمجھتے ہو کہ تم بیلی تک پہنچ گئے ہو۔یہ تو میرا ایک سیدھا سادا اسسٹنٹ ہے بے چارہ۔''

''سارجنٹ، اپنے بڑے جاسوس سے کہہ دینا بیلی رابسن بڑی ٹیڑھی کھیر ہے۔''

اس نامعلوم آدمی کی آواز کمرے میں گونجتی رہی اور بالے چاروں طرف حیرت سے دیکھتا رہا۔پستول اور اس کے نشانے سے وہ پھر بھی غافل نہ تھا اور نیلو نے بھی اس کی گرفت سے آزاد ہونے کی کوشش چھوڑ دی تھی۔

Akram Allahabadi

''ابھی تک میں نے صرف اپنے غدار آدمیوں کو ہی سزائیں دی ہیں، جو قانون کی نظر میں پکے بدمعاش تھے، لیکن آج مجھے ایک بے چارے پولیس سارجنٹ کی جان سے بھی کھیلنا پڑے گا، چچ چچ۔'' اس آواز نے اظہارِ افسوس کیا۔

''بزدلوں کی طرح پردے کی آڑ سے کیا ڈینگیں ہانک رہا ہے۔ مرد ہے تو سامنے آکر بات کر۔'' بالے نے اسے غیرت دلاتے ہوئے للکارا۔

''بڑے بے وقوف معلوم ہوتے ہو، خیر۔'' اتنا کہہ کر وہ آواز بند ہوگئی، لیکن بالے ابھی گھوما ہی تھا کہ اچانک اس کے پیر کے نیچے کی زمین بڑی تیزی سے نیچے دھنسنے لگی۔ اس وقت نیلو نے خود کو اس کی گرفت سے چھڑانے کی بہت کوشش کی، لیکن بالے اسے گرفت میں لیے رہا۔

''ہم تو ڈوبے ہیں صنم، تم کو بھی لے ڈوبیں گے۔'' اس نے اسے اور جکڑتے ہوئے کہا۔

اور پھر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ دونوں کسی فرش پر دھڑام سے گر پڑے ہوں۔ ان کے گرتے ہی وہ جگہ روشن ہوگئی۔ بالے نے دیکھا وہ ایک چوکور چھاتا سا تہ خانہ تھا، جس میں کوئی دروازہ نہ تھا۔ بالے کا پستول کچھ دور جا گرا تھا۔ اس نے چاہا کہ اسے دوڑ کر اٹھالے، لیکن ویسی ہی ایک بھاری آواز نے اسے چونکا دیا۔

''خبردار، جہاں ہو وہیں کھڑے رہو ورنہ ایک سیکنڈ میں چوہے کی طرح مار دیے جاؤ گے۔''

بالے رک گیا۔ آواز یقیناً چھت کی طرف سے آرہی تھی اور اس کے دیکھتے دیکھتے چھت سے لفٹ جیسی کوئی چیز اتری اور ان کے سامنے آکر پڑ گئی۔ اس میں وہی پستہ قد آدمی بیٹھا تھا۔ ی اس کے ہاتھ میں کوئی سفید سی چمک دار چیز تھی۔

وہ بالے کو پستول کی زد میں لیے ہوئے تھا۔ لفٹ سے اتر کر وہ اس کے سامنے

کھڑا ہو گیا۔

''تو، مسٹر جاسوس، تمہاری سزا کا حکم ہو چکا ہے۔'' وہ نیلو سے بولا اور نیلو نے ایک نظر بالے کی طرف دیکھ کر کسی قدر جھجکتے ہوئے وہ انجکشن ہاتھ میں لے لیا۔

''چلو جلدی کرو اور اے مسٹر ذرا ہلے تو یہ چوبیس گھنٹے کی زندگی بھی چھین لی جائے گی۔'' اس نے تحکمانہ لہجے میں بالے کو ڈانٹا۔

بالے واقعی اس وقت عجیب بے بسی کے عالم میں تھا۔ یہاں خان کے آ پہنچنے یا کسی اور امداد کی بھی توقع نہ تھی اور موت بہر صورت سر پر ناچ رہی تھی، پستول کی گولی یا سرنج۔ دونوں طرح موت، فرق صرف اتنا تھا کہ گولی کھا کر اسی وقت جاں بحق ہو جائے اور سرنج کا شکار بنے تو چیخ چیخ کر زیادہ سے زیادہ ۲۴ گھنٹے زندہ رہنے کے بعد مرنا پڑے۔ پستہ قد آدمی پوری طرح مستعد کھڑا تھا۔ انگلیاں پستول کے ٹرائیگر پر تھیں اور گولی چلنے میں ایک سیکنڈ دیر نہ لگتی۔ نیلو سرنج ہاتھ میں لے کر اس کی طرف بڑھی اور بالے کو موت سامنے رقص کرتی نظر آنے لگی۔ لیکن ٹھیک اسی وقت اوپر سے ایک فائر ہوا اور پستہ قد آدمی زمین پر اوندھا گر پڑا۔

لفٹ کی زنجیر کے سہارے فائر کے ساتھ ہی کوئی پھسلتا ہوا نیچے آ گیا۔ وہ سپرنٹنڈنٹ خان تھا جو اس وقت ایک عام آدمی کے سادے میک اپ میں تھا۔

''تھینک یو، مائی باس، ورنہ بالے صاحب تو راہی بقا ہو چکے تھے۔'' بالے نے جلدی اپنا پستول اٹھا کر جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''لاؤ وہ سرنج، میں تمہیں ہی لگا دوں۔'' اس نے نیلو سے کہا۔ لیکن وہ یہ سنتے ہی زرد پڑ گئی۔

''نہیں نہیں، خدا کے لیے ایسا نہ کیجیے۔ خدا کے لیے...'' وہ التجا کرنے لگی۔

''اور ابھی تم کیا کرنے جا رہی تھیں میرے ساتھ۔'' بالے نے سرنج اس سے

لے کر جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

''میں حکم سے مجبور تھی ورنہ وہ مجھے بھی گولی مار دیتا۔

''خیر، اس سے پھر نپٹیں گے، پہلے اسے لفٹ پر لے آؤ۔'' خان نے لفٹ پر چڑھتے ہوئے بالے کو ہدایت کی اور وہ نیلو کو ایک ہاتھ سے گرفت میں لیے لفٹ پر آ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# کارپٹ کمپنی

جب وہ اوپر آئے تو بالے نے دیکھا کہ وہ آدمی جس کے چہرے پر اس نے گرم پانی پھینکا تھا، انسپکٹر بیولکر کی گرفت میں تھا اور ایک کمرے میں ایک سب انسپکٹر اور دو سپاہی اور موجود تھے۔

''اس لڑکی کو بھی حراست میں رکھیے۔'' خان نے دوسرے سب انسپکٹر کو اشارہ کیا۔

''میری حراست میں یہ زیادہ تن درست رہتی۔'' بالے نے منہ بنا کر کہا۔

''جلدی کرو، وقت کم ہے ہمارے پاس، یہ فضولیات کو موقع نہیں۔'' خان نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

تیسرے ہال میں ایک چور دروازہ موجود تھا جس کا زینہ عمارت کے پچھلے حصے سے سڑک پر اترتا تھا۔ خان بالے کو ساتھ لے کر اسی راستے سے باہر نکل گیا۔

''لیکن وہ جواری وغیرہ؟''

''انھیں گرفتار کیا جا چکا ہے۔ پولیس کو لاکھوں روپے کے جعلی نوٹ ہاتھ لگے ہیں۔''

''تو پھر اب کہاں چل رہے ہیں آپ؟''

''وہ بلی کا بچہ ہاتھ سے نکل گیا۔''

''بلی کا بچہ؟ لیکن بچے نے کیا قصور کیا ہے آپ کا، گرفتار تو اس کے باپ کو ہونا چاہیے۔''

''بکو مت۔ تمہاری جان اگر خطرے میں نہ ہوتی تو سب سے پہلے میں اس کی

خبر لیتا۔ وہ اس وقت اس کمرے کی چھت پر موجود تھا اور مائک سے تمہیں دھمکیاں دے رہا تھا۔''

''اوگاڈ، تو آپ اتنی جلدی چھت تک بھی پہنچ گئے۔ مگر آپ اندر آئے کیسے؟''

''مجھے پٹھان سمجھ کر باہر والے ہال میں ہی روک دیا گیا تھا۔ چناں چہ پہلے میں نے باہر جا کر پولیس کو اچانک چھاپہ مارنے کی ہدایت کی اور پھر اسی پتلی سانپ کے نشان کی مدد سے اندر تک پہنچا۔'' خان نے بتایا۔

''یہ ہیرا کنڈ کیا بلا ہے؟''

''ان خفیہ جوئے خانوں کی جتنی شاخیں ہیں ان سب کو ہیرا کنڈ کہتے ہیں۔''

''مگر وہ بچ کر کیسے نکل گیا؟''

''وہ جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے یہاں رہتا بھی نہیں ہے۔ شاید خاص ہمارے لیے یہاں آیا ہوگا۔'' خان نے بتایا۔ ''بہر حال وہ عمارت کے پچھلے چور دروازے سے نکل کر فرار ہو گیا ہے۔'' گفتگو کرتے ہوئے وہ عمارت کی پشت والی گلی میں نکل آئے۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جہاں سے چلے تھے آج بھی وہیں ہیں؟''

''نہیں، ہم نے اس کا شیرازہ منتشر کر دیا ہے اور کل تک ہم اس کے تمام اڈّے توڑ دیں گے۔'' خان نے دور تک سڑک پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔ ''تم اگر جلد بازی کر کے خود نہ چلے آتے تو اس وقت وہ تمہاری جگہ میں ہوتا اور شاید وہ اتنی آسانی سے نکل نہ جاتا۔''

''چہ خوش، طویلے کی بلا بندر کے سر۔ ایک تو میں سر بکف ہو کر دشمن سے ٹکرانے چلا آیا اوپر سے کاہلیت کا سرٹیفکٹ۔''

''نہیں، یہ بات نہیں ہے۔ لیکن تم گھبرا ضرور گئے تھے۔''

Akram Allahabadi

''آپ اس کے فرار کے باوجود کافی مطمئن نظر آ رہے ہیں۔'' بالے نے گفتگو کا رخ گھما دیا۔

اب وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ چکے تھے جو خان کا پولیس ڈرائیور سامنے سے گھما کر عمارت کی پشت پر لے آیا تھا۔

''یہ انجکشن والا طریقہ سمجھ میں نہیں آیا؟''

ڈاکٹر بخاری کے نوٹس کی ڈپلیکیٹ میں نے تیار کرالی ہے۔ پیڈ کے کاغذ پر تحریر کے گڑھے رہ گئے تھے۔ ان کو ہی کیمیکل سے اجاگر کر لیا گیا ہے۔''

''اس کا نتیجہ؟''

''اس سے یہی اندازہ قائم کیا گیا ہے کہ مرنے والوں کے خون میں انجکشن یا کسی اور ذریعے سے کوئی ایسی دوا داخل کی جاتی ہے، جس کی وجہ سے خون کا دباؤ بدن کے اوپری حصے پر اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اس کا شکار اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ اسے جسم کے اوپری حصے میں شدت کی گرمی محسوس ہوتی رہتی ہے، جیسے اندر آگ لگی ہو اور ایسے میں جس قدر بھی ٹھنڈی چیزیں اسے استعمال کرائی جائیں، یہ دباؤ اور بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کم سے کم ۱۸ اور زیادہ سے زیادہ ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر اس کی دماغ کی نسیں اس دباؤ کو نہ سنبھال کر پھٹ جاتی ہیں اور آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر نے اس کی علامتوں میں مرنے کے وقت ناک، منہ اور کانوں سے خون بہنا اور اس سے پہلے مریض پر سرسامی کیفیت کا تسلط بتایا ہے۔''

''تو اس طرح قانوناً مرنے والوں کو مقتول اور کسی کو قاتل ثابت کرنا بہت مشکل ہوگا۔'' بالے نے کہا۔

''ہمارے پاس صرف ڈاکٹر بخاری کے قتل اور میجر سعید کے بنگلے پر ہلاک ہونے والے اس گینگ کے آدمی کی موت کے واقعے کے علاوہ یہ انجکشن جو تمہاری

جیب میں موجود ہے خاصہ ثبوت ہیں۔اب کی بار ہم اسے پھانسی کے تختے تک پہنچائے بغیر نہ چھوڑیں گے۔''خان نے کہا۔

''لیکن اس وقت آپ کہاں چل رہے ہیں؟''

''کچھ قالین خریدنے ہیں ایک جگہ سے۔''خان نے کہا۔

''یہ بے وقت کی شہنائی نہیں ہے کیا؟''

''کسی باجے والے سے پوچھا۔''

''آپ کے پروگرام بھی آج کل کافی پراسرار ہونے لگے ہیں۔''

''بس چپ چاپ ساتھ چلے آؤ۔''خان یہ کہہ کر خاموش ہوگیا اور بالے کو بھی چپ ہو جانا پڑا۔

☆☆☆☆☆☆

چند منٹ بعد وہ انڈین کارپٹ کمپنی کے دفتر میں اس کے منیجر سے گفتگو کر رہے تھے، منیجر ایک ہنس مکھ قسم کا بھاری جسامت والا ہندوستانی تھ جو انھیں کوئی بیوپاری سمجھ کر کبھی تو بڑی نرمی سے گفتگو کرنے لگتا اور کبھی لہجہ سخت کر لیتا۔بہر حال وہ اس سے زیادہ کچھ معلوم نہ کر سکے کہ اس کارخانے کا مالک ایک انگریز ہے جو ان دنوں آسٹریلیا میں ہے اور یہ کمپنی بڑے بڑے شہروں میں قالین سپلائی کرتی ہے۔منیجر نے کوئی حرکت ایسی نہیں کی نہ ہی کوئی بات ایسی کہی جس سے خان یا بالے کے شبے کو تقویت پہنچ سکے۔اور وہاں سے تو چلتے وقت خان کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار پیدا ہو گئے، مگر پھر نہ جانے کیا سوچ کر اس نے اپنی گاڑی ایک بڑے ورک شاپ کے پاس روک دی۔ یہاں کارخانے کے دفتر میں فون موجود تھا۔ڈائرکٹری میں اسے انڈین کارپٹ کمپنی کا فون نمبر ڈھونڈنے میں دقت نہیں ہوئی۔خان نے جب اس نمبر پر رنگ کیا تو دوسری طرف سے

منیجر ہی بول رہا تھا۔

''ہیلو، انڈین کارپٹ کمپنی ہیئر۔''

''سولنگی، میں بیلی بول رہا ہوں۔''

''یس باس، میں سولنگی۔مم... میں... مگر میں تمہیں جانتا نہیں تم کون ہو۔ میں بیلی ویلی نام کے کسی آدمی کو نہیں جانتا۔'' ادھر سے کارپٹ کمپنی کا منیجر خان کے دھوکے میں آکر پہلے تو یس باس بول گیا مگر پھر شاید یہ سوچتے ہی کہ وہ تو ٹرانسمیٹر یا پرائیوٹ فون پر ہدایتیں دیا کرتا ہے، اس نے فوراً ہی اپنے الفاظ بدل دیے۔

''گھبراؤ نہیں، بیٹے، یہ دوفصلی نہیں چلے گی۔'' خان نے کہہ کر رسیور رکھ دیا۔

''یہ جھوٹا ہے۔کارپٹ کمپنی کا مالک ضرور یہیں موجود ہے اور یقیناً وہ بیلی ہے۔'' خان ورکشاپ سے نکلتے ہوئے بولا۔وہ پھر اپنی کار میں بیٹھ گئے۔

''لیکن اس کا ان قالینوں کے بزنس سے کیا واسطہ؟'' بالے نے پوچھا۔

''کوئی نہ کوئی وسطہ ضرور ہونا چاہیے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ... کہ...'' رک کر وہ کچھ سوچنے لگا اور پھر کسی عجیب سے خیال سے وہ ایک دم اچھل پڑا۔

''کیا کوئی خزانہ ہاتھ آگیا؟''

''آیا نہیں، آنے والا ہے۔'' یہ کہہ کر خان نے گاڑی سینٹرل پولیس اسٹیشن کی طرف گھما دی۔

جس وقت وہ اس عمارت میں داخل ہوئے، ڈی آئی جی اوپر اپنے آفس میں موجود تھا۔وہ خود خان کا منتظر تھا، لیکن پچھلے تین چار دنوں سے خان کی مصروفیتیں اس ڈپارٹمنٹ کے لیے نامعلوم رہی تھیں۔ڈاکٹر بخاری کی موت کے بارے میں پولیس تحقیقات کے نتائج جاننے کے لیے پریس پولیس کے پیچھے پڑا تھا اور کل جو لاش لال گودام کے غیر آباد علاقے میں سڑک پر پڑی پائی گئی تھی، اس کے بارے میں پولیس کے

Akram Allahabadi

مبہم بیان سے بھی اخبارات مطمئن نہ تھے۔انھوں نے پولیس پر کڑی تنقید کی تھی کہ ایک عرصے سے شہر میں قتل کی پراسرار وارداتوں کا سلسلہ جاری ہے اور پولیس اب تک کچھ نہیں کرسکی ہے۔خان کو سب سے پہلے ڈی آئی جی کے پاس جانا پڑا۔

''مسٹر خان، پریس والوں نے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔ادھر پبلیک میں بھی پولیس پر کیچڑ اچھالی جارہی ہے۔آخر آپ کیا کر رہے ہیں اب تک؟'' ڈی آئی جی نے جھلایا ہوا سا سوال کیا۔

''آپ جانتے ہیں کہ میں آج کا کام کل پر چھوڑنے کا عادی نہیں ہوں۔میں اپنا کام کر رہا ہوں۔'' کان نے مبہم سا جواب دیا۔

''اب تک صرف لکی اسٹار اور چند چوئے خانوں پر چھاپے مار کر چند جواری اور جوئے خانے کے منتظمین ہی پکڑے گئے ہیں اور یہ کوئی اہم بات نہیں۔یہ معمولی جرائم آپ کے تعلق کے تو نہیں، ان کے لیے تو کوئی چھوٹا افسر بھی کافی تھا اور پھر میرا تو خیال تھا کہ ان پر جرم کا ثابت کرنا بھی مشکل ہوگا۔''

''کیوں، کیا جعلی کرنسی کا برآمد ہونا معمولی جرم ہے؟''

''ہے، مگر اس میں جواریوں کو تو ملوث نہیں کیا جاسکتا۔''

''ہمیں جواریوں سے کوئی دلچسپی نہیں، اصل تعلق اس گروہ سے ہے جو اس طرح جوئے خانے چلا کر ان میں اپنے جعلی سکے چلاتا ہے۔اور سچ پوچھیے تو قتل وخون کا یہ سلسلہ بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہے۔'' خان نے بتایا۔

''اسی گروہ سے؟''

''جی ہاں، جعلی کرنسی چلانے والے اس مخصوص گروہ کی مخصوص علامت وہ پتلی سانپ ہے اور ان جوئے خانوں کو ہیرا کنڈ کہا جاتا ہے۔اور شاید آپ یہ سن کر اور حیران ہوں گے کہ اس خطرناک منظم کی پشت جنگ کے زمانے کے خطرناک جعل ساز رابسن

بیلی کا ہاتھ ہے۔''

''بیلی کا؟'' ڈی آئی جی چونک پڑا۔ ''تب تو کیس کی نوعیت ہی دوسری ہے۔''

''یقیناً، اور اسی لیے میں پولیس کے ذریعے پریس کو صحیح اطلاعات نہیں پہنچنے دے رہا تا کہ وہ خود اس مغالطے میں رہے کہ پولیس اس کے بارے میں غلط راستے پر چل رہی ہے۔''

''تب تو مجھے افسوس ہے۔ آپ جیسا چاہے کیجیے۔'' ڈی آئی جی نے موڈ خوش گوار بناتے ہوئے کہا اور خان مسکراتا ہوا انھیں سلام کر کے اپنے آفس میں چلا آیا۔ بالے یہاں ایک کرسی پر بیٹھا کچھ گنگنا رہا تھا۔ خان نے آفس میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے ڈیسوزا کو طلب کیا اور اسے کچھ ضروری ہدایتیں دے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''اب کیا نیک ارادہ ہے؟'' بالے نے پوچھا۔

''چوری۔''

''کیا فرمایا آپ نے...؟'' بالے نے پلکیں جھپکا کر پوچھا۔

''چوری کرنے کا۔'' خان نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

''مجھے اپنے کانوں پر دھوکا ہو رہا ہے شاید۔''

''شاید۔'' یہ کہتا ہوا وہ پھر کار میں آ بیٹھا۔

''میں چوبیس گھنٹے ایک مشین کی طرح کام نہیں کر سکتا۔''

''لیکن اسے اتنی مہلت نہیں دی جا سکتی کہ وہ سارا معاملہ برابر کر کے فرار ہو جائے۔''

''پھر؟''

''پہلے ہمیں رابسن بیلی کا سراغ لگانا ہے۔''

''کیا نیلو یا اس موٹے نے کچھ نہیں قبولا؟''

''ڈیسوزا کو انھوں نے اتنا ہی بتایا ہے کہ انھیں تمام ہدایات صرف مائک کے ذریعے ملتی تھیں۔ ان کا باس جب بھی اپنے اوپر والے روم میں آتا تو کسی کو اس طرف جانے کی اجازت نہ ہوتی بلکہ یہ بھی نہ معلوم ہو پاتا کہ وہ کب آیا اور کب گیا ہے۔'' خان نے بتایا۔

''اور مجھے کیسے پہچان لیا تھا، کم بخت نے؟''

''باؤ۔ کلکتے کا ایک بہت خطرناک بلیک میلر تھا اور وہ زیادہ تر جرائم پیشہ افراد کو ہی بلیک میل کیا کرتا تھا۔ چناں چہ رابسن سے بھی اس کا تعلق ہو گیا تھا۔ رابسن کی گرفتاری اور فارنس کو منتقلی کے بعد باؤ کو کسی جلے دل بدمعاش نے مار ڈالا تھا، مگر رابسن بیلی کو اس کی خبر نہ ہوگی، ورنہ وہ کبھی دھوکے میں نہ آتا اور شاید ہمارے لیے اس کا سراغ نکالنا بہت مشکل ہو جاتا۔ یہ تو ایک اتفاق تھا کہ میرے ذہن میں یہ تجویز ابھر آئی۔''

''اسے سوال گندم جواب چنا والی مثال کہتے ہیں۔''

''الو، اس میں شک نہیں کہ وہ تمھیں بدلے ہوئے میک اپ میں سمجھ نہیں پا رہا تھا، لیکن تم نے اس کے آدمی کو ہی بیلی سمجھا، اس سے بھانڈا پھوٹ گیا ورنہ شاید وہ پھر خود تم سے ملاقات کرتا۔''

''مجھ سے ملاقات کرتا تو میں الٹے استرے سے سالے کی حجامت کر دیتا۔''

''وہ تو تمہارا خاندانی پیشہ ہے۔''

''انسلٹ۔ میں صرف تمثیلاً عرض کر رہا ہوں۔''

''جیسی روح ویسے فرشتے۔''

''میرے فرشتے اعلیٰ کوالٹی کے ہی ہوں گے۔ نسلاً میں چنگیز کے خاندان سے ہوں۔''

''مگر خان کوئی جواب دینے کی بجائے کسی اور سوچ میں پڑ گیا۔

''بالے، میں ایک رسک لیتا ہوں۔تم بھی تیار ہو جاؤ۔''

''کیا سرکٹانا ہے؟''

''شاید ایسا ہی ہو، کیوں کہ ہمیں سفارتی اجازت کے بغیر ایک غیر ملکی پر ہاتھ ڈالنا ہے۔''

''کون ہے وہ بدنصیب؟''

''دیہو کی کھاڑی میں رہنے والا ایک ایرانی ڈاکٹر۔''

''شاہِ ایران آپ کو پھانسی پر لٹکا دیں گے۔''

''اس کا نام ڈاکٹر بوعلی رابعی ہے اور مخفف بی آر۔

''بیلی رابسن۔''بالے چونکا۔

''تو بسم اللہ۔میں آج صبح صبح مرغی کا دودھ پی کر ۲۵۰ ڈنڈ پیلے ہیں۔اس کا چوکھٹا ٹیڑھا کر دوں گا۔۔''بالے نے اپنا سینہ پھلا کر ۳۶ سے ۳۸ کر لیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

# ننگ دھڑنگ

''ڈاکٹر صاحب ہیں؟'' ایک چیتھڑے لگائے ہوئے ملگجے سے آدمی نے دیہو بیچ کے کنارے ایک کمپاؤنڈ میں بنے ہوئے ایک بنگلے کے دروازے پر پہنچ کر دربان سے کہا۔

''نہیں، وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔''

''ضروری کام ہے، ہیرا کنڈ والا۔'' اس آدمی نے آہستہ سے کہا۔

''کیا؟'' دربان چونکا۔ پھر وہ اسے سر سے پیر تک دیکھ کر کچھ سوچنے لگا۔

''اچھا ٹھہرو، میں دیکھتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اندر چلا گیا اور تقریباً پانچ منٹ بعد لوٹا۔

''نشان؟'' اس نے پوچھا اور اس آدمی نے اپنے کپڑے الٹ کر اسے سانپ کا پیتلی نشان دکھایا۔

''جاؤ اندر۔'' وہ برا سا منہ بنا کر بولا اور نووارد چاروں طرف محتاط نظریں ڈالتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ بنگلے کے دروازے پر ایک اور تن درست سا آدمی بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا۔ وہ گورے چٹے رنگ کا تن درست سا آدمی تھا، لیکن اس لالباس عامیانہ تھا۔ اس نے تنفر آمیز نظروں سے نووارد کو دیکھا اور پھر بھاری آواز میں، اندر جاؤ، کہہ کر نظریں پھیر لیں۔ نووارد سہما ہوا سا ایک دروازے کا پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ اس کے اندر گھستے ہی کمرے کا دروازہ اچانک بند ہو گیا اور ایک خوف ناک قہقہہ اس کمرے میں گونجنے لگا۔

''تمہیں یہاں تمہاری موت لائی ہے، ڈیئر جاسوس۔''

Akram Allahabadi

اور نووارد نے محسوس کیا کہ دروازے میں داخل ہوتے ہی اس پر کوئی سیال سی چیز دونوں طرف دیوار میں لگے ہوئے بریکٹ نما شاوروں سے پھواروں کی طرح برسی ہے۔اس کے کپڑوں سے عجیب سی بو آنے لگی اور وہ یہ محسوس کر کے چونک پڑا کہ وہ پر اسرار خوش بو وہی تھی جس پر بچھو دوڑے پڑتے تھے۔اس کے دیکھتے ہیں دیکھتے دیواروں سے اور فرش کے کونوں سے کالے کالے بچھو نکل کر اس کی طرف دوڑنے لگے۔وہ خود کو اس دہشت ناک موت کی آغوش میں محسوس کر کے کانپ اٹھا، لیکن عین موقع پر اس کے حواس کام آ گئے۔اس نے کمرے میں پڑی ہوئی میز پر چڑھ کر ایک جست کی اور چھت میں لگے ہوئے ایک لوہے کے کڑے کو تھام کر لٹک گیا۔پھر اس نے ایک ہاتھ سے اپنا وزن سنبھال کر دوسرے ہاتھ سے بدن کے کپڑے اتارنے شروع کر دیے یہاں تک کہ اس کے بدن پر صرف ایک چڈھی رہ گئی جو اس پر اسرار خوش بو کی زد سے محفوظ رہ گئی تھی۔ اس نے یہ کپڑے پیروں سے دھکیل کر فرش پر پھینک دیے اور کپڑوں کے گرتے ہی تقریباً ایک درجن سیاہ زیریلے بچھو ان کپڑوں پر ٹوٹ پڑے۔اسے اسی وقت باہر کسی کار کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی۔اس نے فوراً میز سے جست کی اور پوری طاقت سے کمرے کی بند ایک کھڑکی پر دھکا مارا۔کھڑکی کا ایک پٹ ٹوٹ کر باہر کی طرف کھل گیا اور باہر برآمدے میں جا گرا۔اس کے بازوؤں پر خراش پڑ گئی تھی۔اس نے سنبھلتے سنبھلتے دیکھا کہ دروازے والا دربان ایک پستول ہاتھ میں لیے اس کی طرف دوڑ رہا تھا اور دروازے سے ایک سیاہ رنگ کی کار باہر نکل رہی تھی۔لیکن اس کے باہر نکلتے ہی باہر سے گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔دربان نے، جو اس نووارد پر جھپٹا تھا، دور سے ہی پستول سے اس پر فائر کر دیا۔

نووارد گولی چلتے ہی برآمدے میں اوندھا گر پڑا۔دربان نے پستول نیچے کر لیا اور جست مار کر برآمدے میں داخل ہو گیا۔قریب پہنچ کر اس نے جیسے ہی نووارد کو الٹ

کر دیکھنا چاہا، نووارد نے اچھل کر اس زور سے اس کے جبڑے پر گھونسا مارا کہ وہ لڑھک کر برآمدے سے نیچے جا گرا۔ اس کے بعد زوردار جست کر کے اس کے سینے پر آ رہا اور دو چار گھونسوں میں ہی دربان بے ہوش ہو گیا۔ اس شور کی آواز کے ساتھ ہی اندر سے بہت سے دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ نووارد دربان کا پستول ہاتھ میں سنبھالے جلدی سے دیوار کی آڑ میں ہو گیا۔ اندر سے نکلنے والے تین مسلح آدمی تھے۔ سب سے پہلے انھوں نے بے ہوش دربان کو دیکھا۔ پھر دروازے کی طرف دوڑے، جہاں باہر سے اب تک فائرنگ کی آوازیں آ رہی تھیں۔

''خبردار، ہتھیار پھینک دو۔'' انھیں پیچھے سے کسی کی گرج دار آواز سنائی دی اور انھیں مجبوراً اپنے پستول پھینکنے پڑے۔

''اور آگے بڑھو۔'' نووارد نے حکم دیا اور وہ دو قدم اور بڑھ گئے۔ نووارد نے دوڑ کر ان کے پستول اٹھا لیے۔ وہ صرف چڈھی پہنے تھا۔ اس کا باقی جسم عریاں نظر آ رہا تھا۔ اسی وقت دروازے کی طرف سے بالے اپنے اصلی حالت میں سب انسپکٹر بیولکر، رؤف اور ابراہیم اور اسرار کے ساتھ داخل ہوا۔ سب سے پہلے انھوں نے ان تینوں کو گرفت میں لے لیا۔ اس کے بعد وہ سب اس ننگ دھڑنگ آدمی کے سامنے اٹنشن ہو گئے۔ وہ تینوں مجرم بھی یہ منظر حیرت سے دیکھنے لگے۔ خان نے مسکرا کر اپنی نقلی داڑھی مونچھیں بھی نوچ کر پھینک دیں۔

''خدا قسم، بس یہ یونیفارم خوب ہے ایک سپرنٹنڈنٹ پولیس کا۔'' بالے بولے بغیر نہ رہا۔

''انسان کا اصلی روپ بھی یہی ہے۔'' خان نے کہا۔ ''اور ہماری گولی سے وہ کار میں بھاگنے والا بدمعاش ہلاک ہو چکا ہے۔ وہی دراصل ایرانی ڈاکٹر بھی تھا اور رابسن بیلی بھی۔'' خان نے اسی حلیے میں باہر نکل کر کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

بے ہوش دربان اوران تین آدمیوں کے علاوہ پولیس نے ایرانی ڈاکٹر یا بیلی کے دواور ملازموں کو گرفتار کرنے کے بعد جب اس عمارت کی تلاشی لی تو اس کے ایک اندرونی کمرے میں بغیر لائسنس کی چار بندوقیں اوراس کی ایک الماری میں تین پستول برآمد ہوئے ۔اس کے علاوہ بیلی کی خواب گاہ سے ملے ہوئے ایک چور دروازے والے کمرے میں،جس کا راستہ آتش دان کی طرف سے تھا،ایک اورالماری پائی گئی،جس میں چند شیشیوں میں ایک زرد رنگ کا سیّال مادہ بھرا ہوا تھا اور ایک لمبے ڈبّے میں بہت سے سرنج رکھے تھے ۔اسی الماری کے نچلے حصّے میں ایک خفیہ تجوری تھی جو کھل تو نہ سکی، کیوں کہ اس کا کھولنا سوائے بیلی کے اور کوئی نہ جانتا تھا،لیکن اس کے چابی کے خانے کو پستول کی گولی سے توڑ دیا گیا ۔اس تجوری نما حصے سے سونے کی چوکور اور پانچ پانچ تولہ وزن کی پانچ سو ڈلیاں اور تقریباً دو لاکھ روپے کے نوٹ برآمد ہوئے ۔

پولیس نے ان سب پر قبضہ کرلیا۔بالے کی سرکردگی میں یہاں یہ کاروائی ہو رہی تھی اور ادھر خان اپنے بنگلے پر پہنچ کر کپڑے پہننے کے بعد اپنے ساتھ بیولکر،ابراہیم اور چند سپاہوں کو لے کر سیدھا انڈین کارپٹ کمپنی پہنچ گیا۔منیجر جو اطمینان سے بیٹھا تھا، پولیس کو دیکھتے ہی گھبرا گیا۔

''اسے بھی گرفتار کرو۔''خان نے بیولکر سے کہا۔

''پولیس،لیکن اس کمپنی نے قانون کا کیا بگاڑا ہے؟''منیجر اکڑ گیا۔

''بے وقوف آدمی،کیا تم بیلی کے نام سے میرے فون کرنے پر یس باس نہیں بولے تھے؟''

''تمہارا مالک تو آسٹریلیا گیا ہوا ہے نا،پھر بیلی کیا تمہارا باپ تھا۔''خان نے اسے اس کی کرسی پر ہی دھکیلتے ہوئے کہا۔

''میں کسی بیلی کو نہیں جانتا۔میرے کارخانے سے کسی کا کوئی واسطہ نہیں۔

دراصل اس کا مالک میں خود ہوں۔''منیجر نے پولیس کو مغالطہ دینے کی کوشش کی۔''آپ کا قانون میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔'' وہ مطمئن لہجے میں بولا۔

''ایسا۔'' خان مسکرایا۔''اسے میرے ساتھ لاؤ۔''اس نے ابراہیم کو اشارہ کیا اور ابراہیم نے اسے بازوؤں سے تھام لیا۔لیکن منیجر کے چہرے پر اب بھی اطمینان کی کیفیت موجود تھی۔خان نے بجائے سامنے سے جانے کے، عمارت کے پچھلے تنگ راستے سے داخل ہو کر کارپٹ کمپنی کے پچھلے تنگ راستے سے داخل ہوا۔کارپٹ کمپنی کے گودام کا پچھلا بند دروازہ توڑ دیا گیا۔

''آپ میرا بہت نقصان کر رہے ہیں۔آپ کو پچھتانا پڑے گا۔''منیجر کی اکڑ اب بھی جاری رہی۔

''ابھی ادا کیے دیتا ہوں تمہارا نقصان۔''خان نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

یہ حصہ سامنے کی طرف سے نہ نظر آنے والے گودام کا پچھلا بند حصہ تھا، جس کی موجودگی کے بارے میں سامنے سے کسی کو شبہ بھی نہ ہوتا۔اس میں اوپر تلے اور رول کیے ہوئے بہت سے قالین رکھے تھے، لیکن اس عمارت کی نگرانی کے درمیان خود ڈیسوزا کے آدمیوں نے اس کے پچھلے حصے سے چند قالین ایک کار میں لادے جاتے دیکھے تھے، اس لیے خان اسی طرف سے اندر داخل ہوا اور چور گودام کے بارے میں اس کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔

''یہ میرے قالین آپ کیا کریں گے، ان سے کیا واسطہ ہے آپ کو؟''منیجر پھر اس سے الجھنے لگا۔

''شٹ اپ۔''خان نے غصے میں آ کر اس زور کا طمانچہ اس کے منہ پر مارا کہ

وہ سٹ پٹا کر چپ ہو گیا۔خان نے ایک قالین اٹھا لیا اور اس کے بیچ کے حصے کو کان کے پاس لا کر توڑنا مروڑنا شروع کر دیا۔اس میں سنائی دینے والی خفیف چی کڑ کڑ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔پھر غور سے اس کے کنارے دیکھنے لگا۔اب منیجر کے چہرے کا رنگ کسی قدر اتر چلا تھا اور جس وقت خان نے پلٹ کر اسے خشمگیں نظروں سے گھورا تو اس کا رنگ زرد پڑ گیا۔ایک سپاہی کی بندوق کی کرچ سے خان نے اس قالیم کے آدھ آدھ انچ کے ایک انچ موٹ کو رکو بیچ سے پھاڑ ڈالا اور جب اسے اور پھیلایا گیا تب معلوم ہوا کہ قالین کے آدھ آدھ انچ کے دو پرت آپس میں چوڑ دیے گئے ہیں۔انھیں علاحدہ دلاحدہ کرتے ہی سب چونک پڑے۔ان کے اندر سو سو کے نوٹوں کی تہیں اس طرح پھیلا کر بچھائی گئی تھیں کہ ایک پوری قالین میں کم از کم پچاس ہزار کے نوٹ آسانی سے سما سکیں۔ خان نے ان میں سے ایک نوٹ اٹھا لیا اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔

''تو اس طرح تقسیم کیے جاتے تھے یہ نوٹ؟'' وہ بڑبڑایا۔لیکن اب منیجر کا سر جھک چکا تھا۔افشائے راز کے بعد اس کی حالت غیر ہو گئی۔

''یہ سب کچھ ڈاکٹر نریمان کے حکم سے ہوا تھا۔میرا اس میں کوئی قصور نہیں۔'' وہ گھگھیانے لگا۔

''تمہارا ڈاکٹر تو جہنم رسید ہو چکا، اب تمہاری باری ہے۔''

خان نے اسے دھکیل کر بیولکر کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔پھر وہ پولیس کی مال بردار گاڑیاں بلائی جانے تک اس گودام کو مقفل کر کے اور اس پر بیولکر اور تین سپاہیوں کی نگرانی قائم کر کے منیجر کو ساتھ لے کر باہر نکل آیا۔اس کے ایماء پر اس عمارت میں موجود وہ تمام آدمی گرفتار کیے جا چکے تھے، جن کا تعلق اس کمپنی سے تھا اور ان کو بھی جنھیں اس قسم کے پارسل روانہ کیے جا رہے تھے۔لیکن ان میں سے صرف وہ لوگ چھوڑ دیے گئے جو سامنے کے گودام اور کارخانے میں کام کرتے تھے۔ان بے چاروں کو مالک

اور منیجر کے دھندوں کی کوئی خبر نہ تھی۔

☆☆☆☆☆☆

یہ تمام معاملات اسی دن روشنی میں آ گئے۔ اور سوائے رابسن بیلی کے جو قالین کمپنی کے منیجر کے بیان کے مطابق فرانس سے بھاگ کر ایرانی شہریت حاصل کر چکا تھا اور ڈاکٹر نریمان کے فرضی نام سے پاسپورٹ بنوا کر ہندوستان آیا تھا، اور باقی تمام لوگ گرفتار کیے جا چکے تھے۔ پراسرار چیختی موتوں کا راز اور بچھوؤں اور خوش بو کے ذریعے کیے جانے والے خون کی تفصیلات جب پریس کو دی گئیں تو لوگ سنگین جرائم کے اس نئے روپ کو دیکھ کر لرز اٹھے۔ خان نے خود عدالت میں بچھوؤں کے حملے کی وہ فلم عدالت میں پیش کی جو بالے نے اتاری تھی۔ اور مجرموں کی سزا کا مسئلہ عدالت کی اگلی پیشی پر چھوڑ کر جب وہ باہر نکلے تو میجر سعید اور پروین بھی انھیں اس مقدمے کی کاروائی سننے کے لیے آئے ہوئے لاتعداد شہریوں کے ہجوم میں مل گئے۔ بالے پروین کو دیکھ کر کچھ جھینپنے لگا، لیکن خان نے گردن سے تھام کر اسے سامنے کر دیا۔

''کیا کیا تعریفیں کی تھیں اس مردود نے اپنے لیے۔'' خان نے ہنس کر پروین سے پوچھا۔

''جانے بھی دیجیے، انکل۔ بے چارے شرمندہ ہو جائیں گے۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''میں پھر کہتا ہوں کہ بالے صاحب بڑے...'' بالے نے ڈھٹائی سے کہنا چاہا۔

''نیک آدمی ہیں۔ بلکہ اس سال حج کرنے کا بھی ارادہ ہے۔'' رؤف نے پیچھے سے آ کر اس کا جملہ مکمل کر دیا۔ اور سب ہنس پڑے۔

Akram Allahabadi

''خدا سمجھے تم سے، رفو بھائی۔'' بالے جل کر بولا۔ ''نہیں تو میں سمجھ لوں گا۔''

''بہر حال ہم نے جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا۔'' میجر سعید نے بات سنبھالی۔

''مسٹر بالے ہیں بہت دل چسپ شخصیت۔''

''آپ کا کیا خیال ہے؟'' بالے پروین کی طرف گھوم کر آہستہ سے بولا۔

''بڑا نیک، میں نے آپ کو اپنا بھائی جان تسلیم کر لیا ہے۔'' وہ ہنس کر بولی۔ جس پر بالے نے رونی سی صورت بنالی۔

''رومال...'' رؤف نے جیب سے رومال نکال کر جلدی سے بالے کی طرف بڑھا دیا۔ اور بالے نے برا سا منہ بنا کر اس سے اپنے نظر نہ آنے والے آنسو پونچھنے کی بجائے ناک صاف کرنی شروع کر دی۔ خان اس وقت اپنی ہنسی نہ روک سکا اور میجر سعید تو عدالت کی عمارت کی سیڑھیوں پر ہی قہقہے لگانے لگے۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi